یہی وجہ ہے کہ خالد اپنی قادرالکلامی، ذہانت طبع اور پختہ کلامی کے باوجود کہتے ہیں ؎

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقف سما ہے | میں سانسوں کا مہماں تو موج ہوا ہے
قلم بند ہو کس طرح کلکِ نے سے! | بیاں تیرے حسن گلو سوز کا ہے
شہنشاہ لولاک و مولائے رسدرہ | تو میرے تخیل سے بھی ماورا ہے

اور ایک جگہ کہتے ہیں ؎

کہاں نعت و نام رسولِ تہامی | کہاں وہ زباں جو کہ لکنت زدہ ہے

خالد کا نعت رسولِ مقبولؐ میں یہ عجز و انکسار برحق مگر حقیقت یہ ہے کہ "نعت و نام رسولِ تہامی" میں ان کی لکنت زدہ زبان سے جو اشعار تابدار نکلے ہیں - وہ اُردو ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے ٹھیک کہا تھا کہ خالد عظیم شاعر اور عظیم انسان ہے - عام طور پر عظیم انسان ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا - مگر نعت کے میدان میں عظیم شاعر ہونے کے لئے عظیم انسان ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ انسان کامل کی شناخت ہر کہ ومہ کے بس کی بات نہیں ___ خالد کو نعت گوئی میں یہ منفرد اور بلند مقام محض اس وجہ سے ملا ہے کہ وہ نبوتؐ کی عظمت و جلالت سے واقف ہیں -

خالد کی قوتِ تخیل بے پناہ ہے - اُسے اختراعِ تراکیب کا خاص ملکہ ہے، اس کی نعتوں میں بلندیٔ خیال، رعنائی افکار، جدتِ مضامین، شوکتِ الفاظ اور شدتِ احساس کا بڑا حسین و جمیل امتزاج ملتا ہے - وہ بلاشبہ اس دور میں اُردو کے نعت گو شعراء کا سرخیل ہے ___ اُردو نعت گوئی کا جہاں ذکر ہوگا ناممکن ہے کہ وہاں خالد کی "فارقلیط" کا ذکر نہ ہو -

"فارقلیط" کے بعد آیئے اب خالد کی دوسری نعتیہ تصنیف "منحمنا" پر بھی ایک نظر ڈال لیں! "منحمنا" نام کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ ؎

ہے یہ منجملہ اسمائے رسولِ مقبولؐ

"منحمنا" بھی ایک طویل نظم ہے، جس میں ۵۱۲ اشعار ہیں۔ نظم میں دو تین مقامات پر خالد نے حضور اقدسؐ کا سراپا بیان کیا ہے۔ آغاز میں جو سراپا ہے، وہ ملاحظہ ہو ؎

وہ خوش بیاں کلمانی، خطیب قرآنی | بہ ہر فضیلت و کرم ہے مفضّل و مکرّم
بساطِ حیزِ امکاں ہے فرش پا انداز | شفق شمائل و گلِ طلعت و بہار شیم
ہے وہ افق بہ افق وَالسّمَاءِ وَالطّارق | اسی کے جلوے کی رشق، حسن مفتنِ عالم
طلیعۂ سحر و ماہِ بے محاق و کلف | ہے آب و تاب تباشیر رُخ، بیاضِ کرم
جبیں ہے سینے کے انوار سے فروغانی | ہے فطرتاً متبسّم و باسمُ المبتسم
شمیم خلدِ بریں، کا کل مجعّد ہیں | سحابِ رحمتِ رحمان، زلفِ غالیہ شم
وہ طہور سے سرشار پُر خمار آنکھیں | ہے ماورائے بیاں جن کے کیف کا عالم
خوش اختلاط، ملنسار مستقیم مزاج | ہے جس کی غاشیہ بردار نکہت یاسم
سفر میں جس کو شجر جھک کے سایہ کرتے ہیں | وہ وَالضّحیٰ رُخ و ریحان نفس نسیم نسم

وہ جس کے طلعتِ تاباں سے روشنی لے کر
ہے نور بخشِ سحر، لیلِ مظلم و اقتم

وہ جس کا بیضوی چہرہ ہے چاند سے بڑھ کر
وجیہ و خوش دل و بیدار مغز و تازہ دم

جو دیکھے زلفِ چلیپا و عارضِ زیبا
پکارے: نورٌ علیٰ نورٌ ہے خم اندر خم

اسی کو صاحبِ خُلقِ عظیم کہتے ہیں
وہی ہے نوعِ بشر کا معلّمِ اعظم

عاشقِ صادق کو محبوب کی ہر چیز پیاری اور جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ علّامہ اقبال نے مدینۂ منوّرہ کے بارے میں کس والہانہ انداز میں کہا تھا ؎ اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اور خالد کہتے ہیں ؎
یہاں کی ریت ہے سونا یہاں کی خاک عبیر
حریمِ گنبدِ خضرا ہے ہم قرآنِ حرم

خالد نے بعض مقامات پر تعلیماتِ نبوی ؐ کو بھی بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے مثلاً ؎

وہ جس نے مال کو یعسوبِ اہلِ کفر کہا
سمائے رشد و ہدایت کا نیّرِ اعظم

پیام جو صِلُوا ارحامکم کا حکم دیتا ہے
کرے جو وحدتِ انسانیت کے نسخے رقم

وما اصابک من سیّئۃ فمن نفسک
بنائے عدل ہے لا یَرحَمُ فلا یُرحَم

ایک شعر میں منکرینِ ختمِ نبوّت کے لیے "منکرِ اعظم" کا خطاب تجویز کرتے ہیں ؎

کرے جو طعنہ زنی لا نبیَّ بعدی پر
وہ خود ستا متنبّی ہے منکرِ اعظم

"منحمنّا" کے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں ؎

محمد انجمنِ کن فکاں کا صدر نشیں
محمد افسرِ آفاق و سرورِ عالم

جمیل و اجمل و کامل، مکمّل و اکمل
ستم زدہ بشریّت کا محسنِ اعظم

نظر جھکا کے کہے، ما انا بقاریٔ
علیم و عالم و اعلم کے لب پہ لا اعلم

جو شہرِ علم ہے علّامۂ الٰہی ہے
نظرِ خبر کا ظہورِ تمام و تام و اتم

سحر لقا، نبیٔ رحمت و امامِ ہدیٰ
جو راہِ حق میں رہا مبتلائے رنج و سقم

وہی ہے کاشفِ رازِ نہانِ یزدانی
امینِ سرِّ سراپردۂ وجود و عدم

ستارے کاہکشاں کے ہیں راہ کے ذرّے
طرازِ صفحۂ گردوں ہیں نقش ہائے قدم

ہے بے ستونِ سماوات کا ستون وہی
نشانِ راہ اسی کے منارِ ارضِ حرم

اور آخر میں اپنے بارے میں کہتے ہیں ؎

وہ آفتابِ جہاں تاب ہے میں ظلمتِ شب
ہوں کیسے اس سے ملاقی بگو چگونہ رسم

نعت گوئی کا یہ عظیم شرف انہیں یونہی نہیں مل گیا۔ بلاشبہ یہ اوپر کا فیض ہے۔ بقولِ خالد ؎

ہوں خوش عقیدہ بہ تقلیدِ غوثِ جیلانی
بہ گردنِ شعرائے زماں نہم پایم

مختصراً یہ کہ فارقلیط اور منحمنّا کا ہر شعر انتخاب میں آنے کے قابل ہے۔ اردو نعت گو شعراء میں کتنے ہیں جن کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے!

تحسین فراقی

خالد شخص و شاعر

زیرِ نظر تنقیدی مضامین کا مجموعہ عظیم شاعر جناب عبد العزیز خالدؔ کے فکر و فن کی تفہیم و تبلیغ کے لیے مرتّب کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں تیرہ نمائندہ مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر مضامین خالدؔ پر دو ضخیم اور جسیم نمبروں سے لیے گئے ہیں۔ چند تنقیدی مضامین مثلاً عظیم شاعر، عظیم انسان، خالد کی روشِ فکر و سخن، عاشقِ رسول خالد، ملک الکلام، عہد آفرین شاعر، خالد کی شاعری میں شرِ نگار اسّ، سیارہ کے عبد العزیز خالد نمبر سے اور مخترعِ نعت نگار، خالد کی آسان شاعری، اور ایک تخلیقی شاعر یہ تین مضامین "تحریریں" کے خالد نمبر سے منتخب کیے گئے ہیں۔

عبد العزیز خالدؔ کا نام اب محتاجِ تعارف نہیں رہا۔ ضمنیات سے لے کر طبع زاد تخلیقات اور تمثیلی منظومات اور منظوم تمثیلات سے لے کر نعتیہ قصائد تک اس کی شاعری کا کینوس عظیم وسعتوں کا حامل ہے۔ ع ہر قدم ہے مشرقین بداماں لیے ہوئے

اس لیے اس کے فن کا بہ تمام و کمال احاطہ تیرہ مضامین میں ممکن ہی نہیں تھا۔ پھر یہ بھی کہ جب مرتّب نے اعتراف کیا ہے کہ یہ انتخاب بہر حال اس کی ذاتی پسند و ناپسند کے تابع ہے، سو عرض یہ ہے کہ نمائندہ انتخاب کے لیے پہلی اور ضروری شرط یہ ہے کہ وہ موضوع کی نمائندگی کرتا ہو نہ کہ مرتّب کے ذاتی پسندیدہ میلانات کی۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ بعض مضامین میں کہیں تکرار ناروا بھی ملتی ہے۔

موجودہ دَور کے کم فرصت ماحول اور دغدغۂ معاش نے انسان سے فرصت کے طویل گرانمایہ لمحات چھین لیے ہیں۔ ہمارا ملک تو ابھی ایک نیم صنعتی دَور سے گزر رہا ہے، مکمّل میکانکی ممالک میں تو انسان بہت حد تک روبوط (ROBOT) بن چکا ہے —— فرصت سے یکسر ناآشنا —— ایسے میں منتخبات کا ایک اپنا رول ہوتا ہے تاکہ کم وقت میں موضوع کی مبادیات اور اس کے مرکزی تجسس سے واقفیت ہو سکے چنانچہ عرضِ مرتّب میں پیش کردہ معروضات اور انتخاب زیرِ بحث کا جواز بنتا ہے۔

اب آیئے مضامین کی طرف پہلے تین مضامین بیشتر خالد کی شخصیت سے متعلق ہیں۔ شخصیت فن سے علیحدہ نہیں ہوتی بلکہ ایک سچّے فنکار کا فن اس کی شخصیت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ تاہم ان مضامین میں غالب بیان شخصیت ہی پر محیط ہے۔ کہیں کہیں خالد کے فن پر بھی چلتے ہوئے جملے مل جاتے ہیں۔ ارشاد احمد حقّانی اور عبد العزیز خالد کا ویسا ہی ساتھ رہا ہے اور ہے جیسا بوسویل اور جانسن کا تھا چنانچہ اگر وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا یہ باہمی رابطہ ع چالیس برس کا قصّہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

تو شاید یہ کچھ غلط بھی نہیں۔ ایک جگہ اُنھوں نے خالدؔ کے عظیم نعتیہ مجموعے "حمطایا" کا ذکر کیا ہے جسے خالد اُن دنوں لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے حقّانی صاحب نے اسے "طویل نعت" لکھا ہے حالانکہ "حمطایا" "منحمنّا یا فارقلیط کی طرح "ایک طویل نعت" نہیں بلکہ ۲۷ متفرّق نعتوں کا مجموعہ ہے۔

مقصود زاہدی صاحب کا مضمون خوبصورت ہے خالدؔ کی "ہمہ پہلوئی" اور قادر الکلامی کا ذکر ایک جگہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ہر صنفِ سخن

پر حاوی ہیں اور پھر اصنافِ سخن کی ذیل میں " منثور شاعری " کا بھی ذکر کیا ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے خالدؔ نے " منثور شاعری " کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ آگے چل کر وہ خالدؔ اور نظیرؔ اکبر آبادی کا تقابل کرتے ہیں۔ اگر نظیرؔ کی چٹکلے بازی اور خالدؔ کا علم و فضل ہی ان کے لیے مابہ الامتیاز ہیں تو دونوں میں وجہِ مشترک کیا ہوئی اور اگر وجہِ مشترک کثرتِ الفاظ ہی کے گرد گھومتی ہے تو پھر میرے خیال میں خالد کا تقابل کثرتِ الفاظ کی حد تک شاید جوش اور انیس سے زیادہ موزوں رہتا۔ یہ تسلیم کہ نظیرؔ کے ہاں مرہٹی، گجراتی اور اسی طرح کئی دیگر مقامی بولیوں کے الفاظ ملتے ہیں اور اسی قسم کی لسانی مقامیت " خالد کے یہاں بھی ملتی ہے لیکن نظیرؔ اور خالدؔ کے میدان جدا جدا ہیں۔ نظیرؔ جہاں " بھگتی تحریک " کا متاثر و مبلغ معلوم ہوتا ہے وہاں خالد ایک مخصوص نظریہ حیات اسلام کا مقتدی و مبلّغ نظر آتا ہے۔ پھر جہاں نظیرؔ کے ہاں خارجی متعلقاتِ حسن کے ضمن میں بعض جگہ بے حد عریانیت پائی جاتی ہے وہاں خالدؔ کے ہاں جنسی جمالیات ملتی ہے اگرچہ اس کے ہاں بھی کہیں کہیں عریانیت ہے لیکن بہ مقابلہ نظیرؔ کم ہے!۔ مضمون کے آخری پیراگراف میں مضمون نگار خالدؔ کے شعری پیغام کے ساتھ اقبال کی شعر پر مشتمل احیائی کاوشوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اقبالؔ کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

" وہی مٹی جس میں انقلابی جد و جہد کے خون سے نمی آ چکی تھی! ـــــ پھر خشک ہو چکی ہے اور اب نئے پیام کی ضرورت ہے "!

تسلیم کہ اقبال کا کلام صحیفہ آسمانی نہیں جو اٹل ہو اور ہمہ جہت آفاقیت کا حامل ہو لیکن مجھے یہ لکھنے میں کوئی باک نہیں کہ علامہ کے کلام میں ربط و ضبط، تبلیغ و ترسیل اور رچاؤ کی جو شان نظر آتی ہے ابھی تک جنابِ خالدؔ کے ہاں بہ تمام و کمال نہیں ملتی۔ مضمون نگار جس نئے پیغام کی ضرورت کا ذکر کر رہے ہیں معلوم نہیں وہ " نیا " کن معنوں میں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خالدؔ کا اعلان بھی یہی ہے کہ

محفل ہستی سجی اُسی کے لیے ہے
دہر کی ہر چیز ہے برائے محمدؐ

اور اقبال بھی یہی فرماتے رہے ہیں کہ

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

دونوں کی دعوت " رجعت الی اللہ و الرسول " کی طرف ہے تو یہ " نیاپن " چہ معنی دارد؟

اس مختصر سے تبصرے میں تمام مضامین پر علیحدہ علیحدہ نقد و نظر ناممکن ہے تاہم چلتے چلتے ایک دو جملے ضرور لکھوں گا۔

ڈاکٹر سید عبد اللہ کا مضمون " مخترع نعت نگار " بڑا ہمہ گیر مضمون ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاں جو دقتِ نظر، جو تبحّر ان کے تنقیدی مضامین کے لیے وجہِ امتیاز ہے۔ وہ یہاں بھی بہ تمام و کمال موجود ہے۔ فارقلیط۔ منحمنّا میں خالد کے شاعرانہ اسلوب کے جن چند عناصر کا اُنھوں نے ذکر فرمایا ہے وہ واقعی خالدؔ کے ان نعتیہ قصائد کے نمائندہ خواص ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا مضمون بھی خوب ہے۔ اور خالدؔ کی ابداع و اختراع کا کامیاب نمائندہ۔ اگر ڈاکٹر موصوف خالدؔ کی منحمنّا۔ فارقلیط۔ " لحنِ صریر " (رباعیات) پر محاکمہ کرتے وقت خالد کی دیگر فتوحاتِ شعری کو بھی زیرِ بحث لاتے تو یہ محاکمہ زیادہ ہمہ گیر اور دلچسپ ہوتا۔

عفت موہانی صاحبہ نے اپنے مضمون میں جنابِ خالدؔ کو سراسر " اسلامی شاعر " ثابت کرنے کے لیے سر توڑ کوشش کی ہے اور وہ اس " کفر " کو گول کر گئی ہیں جو خالد کے نزدیک ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کچھ کفر بھی ضرور ہے اسلام کے لیے

فرماتی ہیں " ابتداء سے لے کر اب تک خالد نے جو کچھ لکھا ہے اس سے مکمل طور پر اسلامی طرزِ فکر نمایاں ہوتی ہے۔ ان کی شاعری روایتی اسلوب سے بالکل ہٹ کر ہے، نہ تو گل و بلبل کے فسانے ہیں، نہ شمع و پروانہ کی داستان۔ ہجر و وصل کے دکھڑے ہیں اور نہ ہوا و ہوس کی لچر پوچ حکایت"

مجھے مکمل اقرار ہے کہ خالد کے ہاں اسلامی طرزِ فکر نمایاں ہے۔ اس کی عظیم نعتیں اس کے بیّن ثبوت کے طور پر موجود ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ خالد کے ہاں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ اس کے ہاں گل و بلبل کے فسانے، شمع و پروانہ کی داستان، ہجر و وصل کے قصے اور ہوا و ہوس کی حکایات بھی ہیں اور انہی عناصر سے اس کی شاعری کی قماش ہمہ رنگ بنتی ہے۔ اگر عفّت موہانی صاحبہ کو میرے دعویٰ کا ثبوت چاہیئے تو وہ زیادہ نہیں صرف خالد کی سلومی، دکانِ شیشہ گر، سرو و رفتہ، زنجیرِ رم آہو اور " زیرِ داغِ دل " کا مطالعہ ہی فرمالیں۔ یا پھر زیرِ نظر مجموعے میں شامل جعفر طاہر کے مضمون ملک الکلام کا مطالعہ فرمائیں میں تو صرف انھیں خالد کے چند شعر سنا کر رخصت چاہوں گا عرض کیا ہے :

کمر باندھتی ہے وہ مضبوط کر کے
کہیں ناچتے میں نہ کھل جائے ساری

بانہہ میں چنبے کی شاخوں کا بلور
یار میرا ہے چناروں سوہنا

یہ اشعار خالد کے متعدد ایسے اشعار میں قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

پھر عفت صاحبہ کا یہ فرمانا کہ اس صدی کی پوری تاریخ صرف ایک خالد پیدا کر سکی ہے، شاعرانہ مبالغہ ہے۔ خالد ایک عظیم فنکار ایک عظیم شاعر ہیں اور اس کا اعتراف مجھے بہ صمیم قلب ہے اور میری چند تحریروں میں بھی اس کا اظہار ملتا ہے لیکن پوری صدی پر صرف ایک خالد کا محیط نظر آنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اس قسم کے دعاوی سے خالد کی مقبولیت کو خاصا نقصان پہنچا ہے۔

جعفر طاہر نے اپنے مضمون " ملک الکلام " میں خالد کے فکر و فن پر اتنا متوازن اور جاندار محاکمہ کیا ہے کہ بایدوشاید خالد کی روح شاعری پر جعفر طاہر کی یہ حیرت انگیز رسائی، جعفر کے لیے لائق صد مبارک باد ہے میری دانست میں اس تنقیدی مجموعے میں جعفر طاہر کا یہ مضمون گلِ سر سبد کی حیثیت رکھتا ہے اگر ملخص نہ ہوتا تو اور لطف دیتا۔

" عہد آفرین شاعر " میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی سوائے اس کے کہ قرۃ العین حیدر اور عبدالعزیز خالد کو آپس میں بھڑا دیا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ اس مکابرے کا جواز کیا تھا۔ اگر مقابلہ کرنا ہی ٹھہرا تھا تو شاعر کا مقابلہ شاعر سے کیا جاتا اور وہ بھی قدرِ مشترک کی بنیاد پر۔ باقی مضامین میں حامی کرنالی، اکمار پاشی اور وزیری پانی پتی کے ہاں خالد کے فکر و فن کو متوازن انداز میں سمجھنے کی اچھی کوشش ملتی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی یہ مضامین خالد کے فکر و فن کو سمجھنے میں خاصے معاون ثابت ہو سکتے ہیں اور یہی مرتب کا مقصد تھا۔

گوہر ملسیانی

عبدالعزیز خالد

اردو نعت میں خالدؔ ایک بھاری بھرکم آواز ہیں۔ دورِ حاضر کے ایک زود گو شاعر ہیں۔ اور عربی ادبیات کے فاضل ہونے کی وجہ سے ان کا ذوقِ نعت بھی بلند تر ہے۔

"خالد نے نعت نگاری کا ایک اندازِ خاص ایجاد کیا ہے اور جس طرح وہ ایک خاص النحاص اسلوب کا موجد ہے اسی طرح وہ نعت نگاری میں مخترع و مجتہد ثابت ہوا [1]"

"ہمارے زمانے میں نعت گوئی کو بہت سے ایسے محرکات ملے کہ شاعروں نے اسے بطورِ خاص اپنا وظیفۂ حیات بنایا۔ بہزاد لکھنوی، حافظ لدھیانوی، سلیم احمد، رحمٰن کیانی، مجید امجد اور جعفر طاہر کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اور ان ناموں کے ساتھ ایک اور نام بھی یقیناً قابلِ ذکر ہے اور وہ نام ہے عبدالعزیز خالد کا، عبدالعزیز خالد کو حضورِ سرورِ کائنات کی ذاتِ والاصفات سے جو قلبی مناسبت ہے اس کا اظہار ان کے کلام میں مختلف صورتوں میں ہوا ہے [2]"

"عبدالعزیز خالد میں یہی نہیں کہوں گا کہ اس دور کے ممتاز و بے مثال اسلامی شاعر ہیں بلکہ پوری اردو شاعری کی تاریخ میں مجھے کوئی اسلامیات اور عربی کا اتنا ماہر اور باخبر شاعر و ادیب معلوم نہیں [3]"

"خالد صاحب کی شاعری اور ان کی شخصیت سے تفصیلی واقفیت تو نہیں رکھتا لیکن جس حد تک بھی میں جانتا ہوں اس کی بنا پر ان کے شاعرانہ ارتقا کا یہ پہلو میرے نزدیک بہت قابلِ قدر ہے کہ وہ فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ کے دور سے نکل کر جس سے کم و بیش ہر شاعر کو سابقہ پیش آتا ہے اس شاعری کو اختیار کر رہے ہیں جس کی اسلام میں تعریف و تحسین کی گئی ہے [4]"

ان مختصر سی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے جب خالد کی نعت گوئی کا جائزہ لیتے ہیں تو نعت نگاری میں وہ ایک منفرد مقام پر دکھائی دیتے ہیں۔ نعت کے موضوع پر ان کی کتابیں فارقلیط، منحمنّا، حمطایا، ماذ ماذ، طاب طاب عجیب و غریب نام لئے ہوئے ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی ہیں ان کے ناموں ہی سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ علم و فضل اور لسانیات کی مہارت میں خالد کی مثال اردو شاعری میں کہیں نہیں ملتی، یہ ہفت زبان شاعر اپنی نعت میں بھی

---

[1] ڈاکٹر سید عبداللہ (تحریریں خالد نمبر صـ۸۰)

[2] سید وقار عظیم (تحریریں خالد نمبر صـ۸۳)

[3] علامہ عبدالعزیز میمن (تحریریں خالد نمبر صـ۲۸)

[4] سید ابوالاعلیٰ مودودی (سیارہ خالد نمبر صـ۲۰)

گلہائے عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے علم و فضیلت کی دھاک بٹھاتا چلا جاتا ہے یہ الگ بات ہے کہ زبان کے ادق ہونے اور ابلاغ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مشکل پیش آنے کا آپ کو شکوہ رہے آپ خالد کے مطالعہ کے بعد یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ شاعری کے آسمان پر جتنے ستارے چمکتے رہے ہیں یا اب اپنی روشنی بکھیر رہے ہیں۔ خالد ان میں مدھم دکھائی دیتا ہے بلکہ یہ ایک ایسا روشن ستارہ ہے جس کی کرنوں میں اکثر کئی ستارے دھندلا جاتے ہیں۔

نعت کا موضوع خلوص و محبّت اور عقیدت کی گہرائی کا طالب ہے۔ دیکھنے کو تو یہ ایک موضوع ہے کہ سرورِ کائنات کی مدح میں شاعر اپنے فن کے جوہر دکھاتا چلا جائے مگر فن کے علاوہ جو چیز نعت کی متاعِ عزیز ہے وہ ایسے مضامین ہیں جن میں محسنِ انسانیت کی سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا احصاء اور حسن و جمال کی رعنائیوں کا بیان ہے۔

جو بات ہمیں زیادہ متاثر کرتی ہے وہ عشق و محبّت ہے جو حضورِ اکرم کی ذاتِ بابرکات سے خالد کو سب سے زیادہ ہے وہ رسول اللہ کے اوصافِ حمیدہ کو قرآن کے مطالعہ سے اخذ کرتے ہیں وہ قرآنی آیات سے محسنِ انسانیت کے کردار کے حسین و جمیل پہلوؤں کو اپنی آنکھوں سے چُن لیتے ہیں اور اپنے احساسات کی آنچ سے کندن بنا کر آسمانِ شعر پر روشن کر دیتے ہیں۔

طلیقُ اللّسانِ، فصیحُ البیانِ
سخن سنج حیرت سے منہ تک رہا ہے
جس کو نویدِ خدائے اکبر
اِنّا اَعطَینٰکَ الکوثر
اِنَّ شانِئَکَ ھُوَ الاَبتَر
صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

یا ان اشعار میں اسوۂ رسول کی جھلکیاں دیکھیے۔

مقامِ حق یقیں، منزلِ بقا باللّٰہ
ہے جس کا اسوہ رہِ حق کا سنگِ میل و وجم [1]
ذمِ ظفر ہے وَلا فخر جس کے ہونٹوں پر
وہ صبر و شکر و سماحت کا عیلم [2] و سیقم [3]
انیس و مونسِ بیچارگاں، ندیمِ عدیم [4]

---

[1] بیاباں میں راستے کا نشان
[2] بحیرہ
[3] بحر
[4] نادار

مقاومت میں پہاڑ، التفات میں ریشم

قرآن کے ساتھ ساتھ حیاتِ طیّبہ کے ان اقوال پر بھی ان کی نظر گہری ہے جو حدیث کی کتابوں میں دکھتے ہیں پھر ان کے اپنے ایمان کی پختگی اخلاقِ حسنہ کی ضیائیں سمیٹ کر اشعار کو رعنائی عطا کرتی ہے۔

خالد تاریخ اسلام پر عمیق نظر رکھتے ہیں اور ان واقعات کی تصدیق اپنے کلام میں پیش کرتے ہیں جن سے انسانی اقدار منور ہوتی ہے۔

تیرے کہنے پہ یا امین اللہ!
لات و عزّیٰ کو ہم نے چھوڑ دیا
یا محمدؐ! فی الامر شاورھم
تو نے بے جان کو کیا گویا
بخشی خدّام کو خداوندی
زید کہلایا! انت مولانا
جز ترے کس کا آسرا مجھ کو؟
اے غریبوں کے ملجا و ماویٰ!

خالد پیغمبرؐ اسلام کے رفقاء کی محبت اور ان کی زندگی پر سرورِ کائنات کے اثرات کو تاریخ کے حوالے سے پیش کرتے ہیں خالد کی نعتیہ شاعری میں نیا اسلوب ہے جس نے نعت کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔

اسیروں میں دیکھی جونہی بنتِ حاتم
وہیں ابرِ رحمت کو جوش آ گیا ہے
سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن
عمرؓ پیش گوئی پہ سر دھن رہا ہے

فارقلیط میں اس پہلو کی خوبصورت مثالیں ہر حصّے میں آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں اور دل کو موہ لیتی ہیں۔ خالد چونکہ عربی کے عالم ہیں اس لیے عربی شاعری کی نعت کی روایت ان کے سامنے ہے۔ حضرت حسانؓ بن ثابت اور کعب بن زہیر کے قصیدے ان کی نظر سے گزرے ہیں پھر فارسی ادبیات کا بھی مطالعہ کیا ہے اور قدسی و جامی کا نعتیہ کلام بھی مطالعہ میں آیا ہوگا۔ چنانچہ سراپا نگاری کی اس روایت کو خالد نے نئی آب و تاب دی ہے فارقلیط کے آغاز ہی میں ان کا یہ انوکھا انداز آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے ان کا یہ بیانیہ اسلوب منفرد ہے۔

سُنی اُمِّ معبد سے تعریف تیری
بہت تجھ کو ملنے کو جی چاہتا ہے
دمِ گفتگو منہ سے کرنوں کی بارش
دہن مہرِ تاباں کو شرما رہا ہے

جو بنتِ معوّذ سے پوچھا تو بولیں
سمجھ لو کہ مشرق سے دن چڑھ رہا ہے

خالد پر بحث کرتے ہوئے جو بات سب سے پہلے متاثر کرتی ہے وہ ان کا علم ہے کہ کئی زبانوں کی مہارت انہیں علم کا بحرِ بیکراں بنا دیتی ہے ان کے پاس اس بحرِ زخّار میں نہ صرف اردو کے الفاظ موجیں مارتے ہوئے ملتے ہیں بلکہ عربی، فارسی، ہندی اور نہ جانے اور کون کون سی زبانوں کے الفاظ شیریں اور دلنشیں انداز میں موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ملتے ہیں اور الفاظ کا انتخاب بھی ایسا ہے کہ ایک ایک لفظ معنی کا سمندر سمیٹے ہوئے ہے۔ "ذرا فارقلیط کے ان ابتدائیہ اشعار پر غور کیجیے۔ یہ ادق یا غیر مستعمل الفاظ نہیں بلکہ عام استعمال میں آنے والے الفاظ ہیں۔ مگر خالد نے اپنے ارفع تخیّل کی بدولت انہیں جامعیّت کے روپ میں پیش کیا ہے۔

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقف سما ہے
میں سانسوں کا مہماں تو موجِ ہوا ہے
شہنشاہِ لولاک و مولائے سدرہ
تو میرے تخیّل سے بھی ماورا ہے

یا حمطایا کی یہ نظم صلے اللہ علیہ وسلم دیکھیے۔

نوعِ بشر کا محسنِ اعظم — آنکھ ہمیشہ جس کی پُرنم
جس کے فیض کا چشمہ زمزم — صلے اللہ علیہ وسلم

خالد نے الفاظ کا انتخاب موضوع کی مناسبت سے کیا ہے ان کے ہاں شوکتِ الفاظ ہے، ان کے الفاظ احساسِ عظمت پیدا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے دبدبہ الفاظ کا حسن سامنے رکھتے ہیں اور الفاظ کے اس آہنگ سے قاری میں جذبۂ عشق پیدا کرتے ہیں اور افکار کی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں۔

تجلّی سے چہرہ ترا ارغوانی
تو خورشیدِ روز و مہِ چاردہ ہے
وقارِ سکوت اور حُسنِ تکلّم
تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے
طبیعت میں وہ قدرتی شرم جیسے
کہ پردہ نشیں کوئی نا کتخدا ہے
سرِ شاخِ گل غنچۂ نو شگفتہ
جو بادِ چمن سے بھی شرما رہا ہے

خالد کی نعت میں تلمیحات کے علاوہ عربی مقولات بھی اپنی سج دھج سے سامنے آتے ہیں۔ ماذ ماذ یا طاب طاب سب میں خالد کے وسیع مطالعہ کے نتائج قاری کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں خالد نے نعت میں ایسی

آیات کو بھی خاص طور پر سمویا ہے جن میں سرکارِ کائنات کے اوصافِ حمیدہ کی جھلک ہے یا کوئی پیغام ہے۔ عربی جملے احادیث یا قرآنی آیات کے ٹکڑے ان کے کلام کو کہیں کہیں ثقیل بنا دیتے ہیں اور ابلاغ کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر اب گاہے گاہے خالد مشکل پسندی سے نکل کر سہل اندازی کی طرف گامزن ہیں۔ الفاظ کا استعمال عام فہم ہے۔

کریمُ السّجیّہ جَمیلُ الطّویّہ
تُو خیرُ البریّہ شہِ انبیا ہے

خطاب جس سے ہے اِقرأ باسمِ ربّکَ کا ہے جس کے فیض سے مُعجز نوا صریرِ قلم
نظر جُھکا کے کہے مَا اَنَا بِقَارِیٔ علیم و عالم و اعلم کے لب پہ : لا اعلم

خالد کے یہ نعتیہ مجموعے حقیقتاً قصیدے کی صنف سے تعلق رکھتے ہیں آپ انہیں آزاد قصیدہ نگاری کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ خالد نے قصیدے کے تمام لوازمات تشبیب گریز دعا وغیرہ کی پابندی نہیں کی مگر اردو شاعری میں قصیدہ کا اسلوب مہتمم بالشان ہے۔ الفاظ کا انتخاب ارفع اور اسلوب دقیق ہے خالد نے بھی اس اسلوب کو اختیار کیا ہے۔ الفاظ میں وہی شان ہے ان پر ادق ہونے کا جو لیبل لگایا گیا ہے وہ بھی ان کے اسی اسلوب کی بدولت ہے یہ درست ہے کہ عام قاری ان کے نعتیہ قصیدوں سے حظ نہیں اٹھا سکتا مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ان کا سارا کلام اسی اسلوب کو لیے ہوئے ہے اب تو ان کی نعت کے اشعار بعض اوقات سہل ممتنع کی عمدہ مثالیں ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ جب قصیدے کا رنگ چھوڑ کر غزل کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں تو ان کے نعتیہ اشعار دل کی تاروں پر مضراب کا کام کرتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید

نعت نگار خالد

عبدالعزیز خالد کی شاعری میں غزل سے قرآن کی طرف مراجعت کا واضح رجحان ملتا ہے۔ اس کا اپنا قول ہے کہ :

قرآن غزل گوئی پہ غالب آیا
دل اس کے طفیل از سر نو زندہ ہوا

اس مراجعت کا دوسرا بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ خالد غزل کی صنم پرستی کو خیر باد کہہ کر خواجۂ یثرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت نگاری کی طرف اس تڑپ کے ساتھ مائل ہوا کہ بیک قیدِ قافیہ نعت کی متعدد کتابیں لکھ کر اپنی والہانہ عقیدت کے چراغوں کو روشنی عطا کر دی۔ عبدالعزیز خالد کے ہاں نعت نگاری محض ایک روایت نہیں بلکہ ایک وجدانی جذبے کا نام ہے اور یہی خالد کا سرمایۂ افتخار ہے، جو کبھی فارقلیط میں اظہار پاتا ہے، کبھی من جمتا میں مظہرِ عقیدت بن جاتا ہے :

ہے نعت و نامِ نبیؐ مایۂ مباہاتم

اور یہی وجہ ہے کہ جب خالد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش ہوتا ہے تو اپنی تمام تر قادر الکلامی کے باوجود اپنی شاعرانہ حیثیت کو نظر انداز کر دیتا ہے اور سراپا عجز و انکسار بن جاتا ہے :

میں فرشِ زمیں ہوں، تو سقفِ سما ہے
میں سانسوں کا جھاں، تو موجِ ہوا ہے
شہنشاہِ لولاک و مولائے سدرہ
تو میرے تخیل سے بھی ماورا ہے
تری ذات فخرِ بنی نوعِ آدم
تو صلِّ علیٰ، خیرِ خلقِ خدا ہے
سنی اُمِّ معبد سے تعریف تیری
بہت تجھ سے ملنے کو جی چاہتا ہے

مندرجہ بالا نعت کا آخری مصرع درحقیقت عبدالعزیز خالد کی نعت گوئی کا اساسی ماخذ ہے۔ ہر چند شہنشاہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تخیل سے بھی ماورا ہیں۔ لیکن خالد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن وجودِ گرامی کی بہت سی تابناک کرنیں اپنے قلم کی گرفت میں لینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اور مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کبھی کی

ہے اور شاید ان کے نظارۂ جمال کو محسوس کر کے ہی نعت نگاری کا عروج حاصل کیا ہے ؎

تجلّی سے چہرہ ترا ارغوانی
تو خورشید روز و مہِ چار دہ ہے
تری زلف ہے بدر کے گردِ ہالہ
چکور آتشِ رشک سے جل رہا ہے

وقار سکوت اور حُسنِ تکلّم
تجھے دینے والے نے کیا کیا دیا ہے

جمیل و اجمل و کامل مکمّل و اکمل
ستم زدہ بشریّت کا محسنِ اعظم
نگار خانۂ کُن کی حسین ترین تصویر
ہے جس پہ ناز کناں خود مصورِ مرسم
وہ جس کا بیضوی چہرہ ہے چاند کا ٹکڑا
وجیہہ و خوش دل و بیدار مغز تازہ دم
شمیم خلد بریں کاکلِ مجعّد میں
سحاب رحمتِ رحماں زلف غالیہ شم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سراپا نگاری کے علاوہ خالد کی نعت نگاری کا دوسرا اہم موضوع فراق کا ہے۔ خالد کا ایقان ہے کہ وہ محض ایک تودۂ خاک ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم متوج ہوا۔ یہ موج ہوا تھی کہ اس جسد کو تازگی ہی نہیں، حیاتِ جاوید بھی عطا کر سکتی ہے۔ چنانچہ اس کے ہاں وصال کی خواہش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ اقدس میں مدغم ہو جانے کا نام ہے اور اس وقت وہ سود و زیاں کی ہر کڑی آزمائش سے ماورئی ہو جاتا ہے ؎

پکارتا ہے پپیا پیے انا رسول اللہ
خیالِ سود و زیاں ہے نہ فکرِ مدحت و ذم

ہیں شبدوں کی پیاسی، ہیں چرنوں کی داسی
تری جستجو مجھ کو صبح و مسا ہے

تو کار ساز و کریم و مسبب الاسباب
کرے جو ایک نگاہِ کرم تو عینِ کرم

کبھی آرزو تھی مجھے زندگی کی
ترے بعد جینا مگر بے مزا ہے

عبدالعزیز خالد کی نعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سراپا نگاری یا اپنی تمام تر انکساری تک محدود نہیں، بلکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے تمام روشن نقوش سمیٹنے کی سعی کی ہے۔ اس عمل میں خالد کی قادر الکلامی نے اس کی پوری معاونت کی ہے اور وہ نعت کا ایک ایسا پیکر تشکیل دینے میں کامیاب ہو گیا ہے، جو بنی نوع انسان کے لیے پیغام منظوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس زاویئے سے دیکھئے تو فارقلیط، من حمنا، عبدہٗ، طاب طاب اور متعدد دوسرے مجموعے محض ایک شاعر کا ارمغانِ عقیدت نہیں، بلکہ "مدح ارباب کرم" کے اس زمانے میں خالد کا "کلمۂ حق" ہے، جو "فریضۂ اہل قلم" بن گیا ہے۔

خالد کی خصوصی عطا یہ ہے کہ اس نے نعت کو ایک الگ صنف سخن کے طور پر قبول کیا اور اس میں اپنی قادر الکلامی اور جذب دروں سے انفرادیت پیدا کی۔ بلاشبہ وہ اردو شاعری کا حسانؓ بن ثابت ہے اور اس کی نعت قصیدہ لامیہ اور میمیہ کی ہم پایہ قرار دی جاسکتی ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ طغیانِ جذبات کو نعت میں اس فراوانی سے پیش کرنے میں تاحال اس کا کوئی مثیل نہیں۔

عاصم صحرائی

خالد کی شاعری

عبدالعزیز خالد ۱۵ جنوری ۱۹۲۷ء کو جالندھر کے گاؤں "پرجیاں کلاں" میں پیدا ہوئے۔ قریب کے قصبے سے ۱۹۴۲ء میں میٹرک کیا اور پھر لاہور آ گئے ۵۰ء میں ایم اے کیا اور اسی سال انکم ٹیکس کے محکمے میں ملازمت اختیار کر لی۔ ان دنوں لاہور میں تشریف فرما ہیں۔

خالد نے اپنی شاعری کا آغاز پانچویں جماعت سے ہی کر دیا تھا۔ ان دنوں کچھ اس قسم کے شعر کہا کرتے تھے ع

گناہوں سے مبرا ہو جوانی ہو نہیں سکتا

رفتہ رفتہ آپ کی شاعری پر عربی، فارسی اور ہندی کا اثر بڑھتا گیا یہاں تک کہ آپ کے اشعار "مفرس" اور "معرب" ہو کر رہ گئے۔ پورے شعر میں ایک آدھ لفظ یا مصرعہ اردو اور باقی عربی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سرگزشتِ صاحبِ تخلیق سن ! لَا یَنَامُ قَلْبِیِ عَیْنَایَ تَنَام

ہے یہ آوازِ دلِ ہر بوالہوس ! رَبِّ اَنْظِرْنِیِ اِلٰی یومِ القیام

خالد کا کہنا ہے کہ "میری شاعری پر عربی کا اثر اس وجہ سے ہے کہ قرآن و حدیث ہمارا تہذیبی سرمایہ ہے اسے ہماری زبان میں ضرور شامل ہونا چاہیئے جب تک یہ نہیں کیا جائے گا۔ ہم خلا میں چکر لگاتے رہیں گے اور مستقبل کی تعمیر نہ کر سکیں گے۔ انہیں شکایت ہے کہ مذہب کو ہم نے صرف عبادت تک محدود کر لیا ہے اور اسے ایک خشک موضوع سمجھ لیا ہے۔ مغربی مفکروں کے حوالے تو ہم آئے دن دیتے رہتے ہیں لیکن سب کچھ حدیث میں موجود ہے اور ہم اس سے استفادہ نہیں کرتے۔ خالد صاحب کا یہ شکوہ بالکل بجا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اپنے بیگانے سبھی اقرار کرتے ہیں۔

میں خالد سے ابھی تک ذاتی طور پر نہیں مل سکا۔ لیکن غائبانہ طور پر انہیں ایک عرصہ سے جانتا ہوں۔ ان کا کلام ایک عرصہ سے میرے لیے دلچسپی کا سبب بنا ہوا ہے مجھے ان کا کلام اس لئے پسند ہے کہ وہ دوسرے شعراء کی نسبت ہٹ کر کہتے ہیں۔ غالب کی طرح اپنے لئے نئی راہیں منتخب کرتے ہیں۔ انہیں دوسروں کی پامال کردہ راہوں پہ چلنے میں کوفت ہوتی ہے۔ وہ اقبال کی طرح نئی ترکیبات و تلمیحات وضع کرتے ہیں۔ نئی نئی زمینیں پیدا کرتے ہیں اور ان میں نئی نئی تشبیہات کے سدا بہار پھول کھلاتے ہیں۔ ان کی تراکیب میں عربی و فارسی کا حسین امتزاج اور ہندی سنسکرت کا دلکش آہنگ ملتا ہے۔ ان کے کلام میں خیال کی ندرت، لفظوں کی خوبصورت تراش خراش محاورات کی حسین بندش، فکر کی گہرائی، زبان کی چاشنی، سبھی کچھ موجود ہے اشعار میں صوتی ترنم

اور سروں کا زیر و بم بھی بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔

شاعر کو دمِ فکرِ سخن شعلۂ روشن   بلبل کی آواز ہے یا نالۂ کو کو

میں شام کا عاشق ہوں بھاتی ہے مجھے شام   جب گیسوئے مشکیں سے مہک اٹھتے ہیں مشکو

خالد کا ایک ایک شعر، پوری تاریخ پر مبنی ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

کہے عبّاسہ و جعفر سے دمِ عقد رشید   سایہ تم دونوں پہ تنہا کسی چھت کا نہ پڑے

جو شخص اس شعر کے پس منظر سے واقف نہیں اسے یہ شعر انتہائی مہمل نظر آئے گا۔ لیکن ذرا کتاب ماضی کے اوراق کھنگالیے۔ عبّاسہ حسن و جمال کی پیکر، سلیقہ شعاری میں ماہر اور تمام علوم سے آگاہ، جعفر برمکی وزیر السلطنت بذلہ سنج، دقیقہ شناس، نکتہ رس اور خلیفہ ہارون الرشید کا معتمدِ خاص خلیفہ امورِ سلطنت سے فارغ ہو کر جب محفلِ عیش و طرب سجاتا تو ان دونوں کی عدم موجودگی سے بے قرار ہو جاتا۔ مشکل یہ تھی کہ عفّت مآب پارسا شہزادی جعفر کے سامنے آتے ہوئے جھجکتی تھی، اس حجاب کے دفعیے کے لیے ہارون نے یہ ترکیب نکالی کہ دونوں کا عقد کر دیا جائے تاکہ مغائرت ختم ہو جائے لیکن شرط یہ رکھی کہ دونوں خلیفہ کی عدم موجودگی میں ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے۔ یہ شعر اسی تاریخی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

خالد صرف واقعات ہی بیان نہیں کرتا بلکہ جیتے جاگتے کردار بھی تخلیق کرتا ہے۔ تاہم اس کے یہ کردار اس کی اپنی ہی شخصیت کا پرتو ہیں۔ نہایت سنجیدہ اور متین کردار ــــ اس کے کرداروں میں تھوڑا بہت شوخی کا عنصر ضرور ہے لیکن اس پر بھی متانت و سنجیدگی کی اتنی گہری چھاپ ہے کہ یہ شوخی اس کے نیچے دب کر رہ گئی ہے ؎

ہنگامِ مغرب سورج نے پوچھا   دیکھے گا میرے کام کو جاری اب کون

طاری تھا سکوتِ مرگ آسا سب پر   یہ رنگ جو دیکھا تو چمک کر بولا

اِک گوشۂ کم تاب سے مٹّی کا دیا   یہ بندۂ ناچیز حضورِ والا!

خالد کو مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ سنا ہے کہ ان کی اپنی بہت بڑی لائبریری ہے جس میں شعر و ادب کے علاوہ بیسیوں موضوعات پر مختلف نادر مجموعے موجود ہیں، لکھنا اور پڑھنا ــ یہی ان کی زندگی کا محور ہے وہ لکھنے کے لیے پڑھتے ہیں اور پڑھنے کے لیے لکھتے ہیں۔ مشاعروں اور ادبی ہنگاموں سے طبیعت گھبراتی ہے اور فقط گھر کے گوشۂ تنہائی میں سکون پاتی ہے۔

خالد کے کلام میں جابجا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ رسول ملتی ہیں۔

مٹّی کا یہ برتن اک دن آخر ٹوٹے   جیون پد کا ساتھ بہ کچّا چھوٹے

آمَنْتُ بِکَ رَبِّ تَوَکَّلْتُ عَلَیک   ہیں تیرے سوا سارے سہارے جھوٹے

جبیں غیر کے آگے جھکتی نہیں   ہے دنیا گواہ اِنَّا مُسْلِمُوْن

ہو عین یقین ہی سے دل مطمئن   قُلْ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْن

کلیمی یہی ہے اَن اُلقِ عصاکَ   اِذا رعی تلقفُ ما یأفکون

خالد کے کلام میں اخلاقیات کا درس بھی ملتا ہے۔ اخلاقیات اور پند و نصائح کے موقع پر شاعر کا اندازِ بیان عموماً خشک ہو جایا کرتا ہے لیکن خالد کے ہاں بیان کی شگفتگی یہاں بھی بدستور قائم ہے۔

جینے کی اگر ہوس ہے تو مرنا سیکھ   گر جینے کا شوق ہے تو ہرنا سیکھ

زندان کدورت نہ بنا سینے کو   تقصیر سے اغماض نظر کرنا سیکھ

خالد نے زندگی کے پیچ در پیچ راستوں میں سے اپنے لئے صرف ایک راہ منتخب کی ہے۔ یہ راہ ہے شاعری ــــ وہ زندگی کی گوناگوں دلچسپیوں سے تو کنارہ کشی کر سکتے ہیں لیکن شاعری ترک نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انہوں نے بڑے سوچ بچار اور گہرے تفکر کے بعد یہ راہ

منتخب کی ہے۔

ترکِ مے ممکن ہے ترکِ عشق بھی   شاعری لیکن ہے میری زندگی

ع مجھے کچھ اور نہ سمجھو میں فقط شاعر ہوں

خالد کے نزدیک شاعر وہ ہے جو زندگی سے پیار کرے۔ جو زیست کے مصائب سے فرار حاصل کرنے کی بجائے ان کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ خالد کے پورے کلام کا جائزہ لیجئے کہیں بھی زندگی سے فرار حاصل کرنے کا مشورہ نہیں ملے گا۔ بقول ان کے۔ ع

وہی شاعر ہے محبت ہے جسے ہستی سے

خالد کو "شاعری" جیسی پر کٹھن راہ کا پورا پورا احساس ہے۔ وہ اسے بچوں کا کھیل نہیں سمجھتے کہ جس کا جی چاہے اس میدان کا شاہسوار بن جائے۔ بلکہ ان کے نزدیک تو شاعری خونِ جگر سے پنپتی . . . . اور حدّتِ قلب سے پروان چڑھتی ہے کہ ع

جادۂ شعر میں آتے ہیں کئی سخت مقام

خالد شاعری کو امانت سمجھتے ہیں۔

علم و ادراک کسی شخص کی میراث نہیں   شاعری بارِ امانت کے سوا کچھ بھی نہیں

خالد کے نزدیک ضروری ہے کہ ایک فنکار یا تو فن کی خدمت کرے اور خاموشی سے زمانے کی آفات کا مقابلہ کرتا ہے یا پھر فن سے دستبردار ہو کر دنیا کے عیش و نشاط میں گم ہو جائے۔ ان کے نزدیک یہ بات غلط ہے کہ ایک طرف انسان خود کو فن کی بلندی کے لئے وقف کر دے اور دوسری طرف بے مہریٔ یاران وطن کو بھی یاد کرے اور ناسازگاریٔ حالات کا گلہ شکوہ بھی کرتا ہے۔

مفت کھوتے ہو خداداد صلاحیت کو   مشورہ کس نے دیا چھوڑ کے سب کارِ جہاں

شعر کی بھول بھلیاں میں رہو سرگرداں   اور پھر شکوۂ ناقدریٔ دوراں بھی کرو

ایسے بے روح پُرآشوب زمانے میں حضور   شعر گفتن چہ ضرور ؟

فنکار کی زندگی بھی فن کے لئے ہوتی ہے اور موت بھی۔ وہ جیتا ہے تو فن کی خدمت کے لئے اور مرتا ہے تو فن کی عظمت کے لئے
فنکار موت سے ڈرتا ہے نہ حالات کا شکوہ کرتا ہے۔

میں اس خیال سے سڑکوں پہ گشت کرتا ہوں — تمہارے ہونٹوں سے نکلا ہوا کوئی نغمہ!
کسی گلی کسی کوچے کے موڑ پر شاید — ہوا کے دوش پہ سرمستِ ناز مل جائے
مجھے فسردہ و دلگیر دیکھ کر بولے
سخن سرا ہو مگر زندگی سے ڈرتے ہو — خدا پرست ہو قسمت کا شکوہ کرتے ہو

نغمہ و آواز کے درمیان ایک نہایت باریک فرق ہے۔ لیکن اس فرق کی نشاندہی فقط ایک صاحب ادراک و بصیرت شخص ہی کر سکتا ہے۔

؎ سرحدِ لفظ سے آگے ہے دیارِ نغمہ — نغمہ احساس ہے آواز نہیں
اہلِ دل کرتے ہیں گونگی باتیں — شبِ تخلیق میں احساس ڈھلے نغمے میں
اثر الفاظ کے آہنگ میں ہے پوشیدہ — شخص و اسلوب میں ہے روح و بدن کا رشتہ
قامتِ فکر پہ لفظوں کی قبا سجتی ہے

تخلیقِ فن، کوئی معمولی بات نہیں۔ اس کے لئے تو شاعر برسوں ریاضت کرتا ہے۔ تب کہیں جا کے کوئی فن پارہ تخلیق ہوتا ہے۔

؎ ادب وجذبے کو فرزانے سمجھتے ہیں جنوں — شاعری پلتی ہے آغوشِ قنوط و شک میں
شاعری جذبہ و وجدان ہے فکر و ادراک — دلِ خلّاق کو ملتا نہیں مر کے بھی سکوں
راکھ سے آگ ڈھکی ہو تو وہ کیا آگ نہیں؟ — شق رہے سینۂ گہ بیانِ سحر کی صورت
شعر خاموش پُر اسرار عمق سے اُبھرے

شعر کی تعریف ابھی تک نقادوں کے درمیان "متنازعہ فیہ" ہے متعدد نقادوں نے "شعر" کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ
سب تعریفیں بے سروپا ہیں۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اکثر و بیشتر ایسی ہیں جن کا سر ہے نہ پاؤں۔

"شعر" کی تعریف ذرا خالد کی زبانی "شاعرانہ انداز" میں سنیئے۔

؎ شعر کہتا ہے جو لب کہہ نہ سکیں — شعر کہتا ہے "میں جذبے کی طرح مبہم ہوں
شبِ صحرا کی خموشی ہوں سمندر کا خروش — کبھی الحانِ مغنّی، کبھی آوازِ سرفروش
کبھی اعجازِ پیمبر، کبھی سحر و افسوں

خالد کے کلام میں رنگ تغزل بھی نمایاں ہے۔ جو لوگ خالد کو محض اس لئے التفات کے قابل نہیں سمجھتے کہ یہ مشکل گو اور ادق پسند ہے۔ ان
کی نظریں غالباً خالد کے کلام کے اس حصے تک نہیں پہنچیں۔ ذرا حسنِ تغزل ملاحظہ کیجئے۔

؎ سمجھتا ہوں ستاروں کی زباں کو — مجھے معلوم ہے کیف و کم کُن
مجھے بخشا ہے قسّامِ ازل نے — نو اسنجی کا سودا، شعر کی دھن

؎ حقیقت کے چمکتے تار دے کر | کہا! جان سے خوابوں کی قبا بُن
کبھی ٹانک آسماں پر چاند تارے | کبھی مٹی سے دُرِّ شایگاں چُن
زمیں گویا عروسِ آسماں ہے | ذرا آپس میں ان کی گفتگو سُن

کیفیتِ انتظار ملاحظہ ہو۔

؎ شام ہوگی تو میں دروازہ کھلا | چھوڑ کے راہ تکوں گا اس کی
میرے خوابوں میں ملاقات کا جس | دشمنِ جاں نے کیا ہے وعدہ

اس انتظار میں
کہ خواب میں
تم آؤ گی
میں ساری رات جاگتا رہا

میں نے آدھی رات تک تیرے لئے
اپنا دروازہ کھلا چھوڑا صنم
گھر اکیلا ہے، دیا بجھنے کو ہے
جھانکتا ہے ادھ کھلی کھڑکی سے چاند
چاندنی کے نرم شیتل سانس میں!
اِک نشہ پنہاں ہے نامعلوم سا
سنسناتا ہے رگ و پے میں مرے
اضطراب موج بحر و موج باد
اے دلِ آوارہ گرد و نامراد!
اب کٹے گی کس طرح!
یہ جدائی کی اندھیری سرد رات

خیالِ آفرینی دیکھئے!

؎ ساغر میں عکس دیتی ہے مشعل کی روشنی | اطرافِ ریگ زار میں چھٹکی ہے چاندنی

لبوں کی پیاس لب لعل ہی سے بجھتی ہے — قریب ہو کے بھی کچھ لوگ دور رہتے ہیں

پلائے وہ تو پیالہ میں زہر کا پی لوں — سلام اس پہ جو مجھ سے گریز کرتی ہے

کھڑکیوں کی آنکھ دیواروں کے کان — دشمنوں کے درمیاں رہتے ہیں ہم

ہر مسیح اپنے زمانے سے کرے استفسار — مجھے کس جرم کی پاداش میں مصلوب کیا؟

خالد کو اپنے وطن سے گہری محبت ہے اور ہو بھی کیوں نہ۔ وطن کی محبت تو ایمان کا جزو ہے۔

اے دیارِ پاک ہم تجھ پہ نثار — حرمتِ مادر کی کھاتے ہیں قسم
ہم جلائیں گے تیرے گھر گھر میں دیپ — لو نہ ہونے دیں گے اپنے دل کی کم

جہاں تک خالد کی مشکل پسندی کا تعلق ہے۔ عوام تو کیا، خواص بھی اس سے نالاں ہیں۔ شاہد احمد دہلوی مرحوم لکھتے ہیں۔ "کوئی پندرہ سال پہلے انہوں نے اپنی ایک نظم "ساقی" کے لئے بھیجی تھی۔ یہ تو اب یاد نہیں کہ کون سی نظم تھی۔ ہاں یہ یاد ہے کہ اس میں بعض ایسے الفاظ تھے جنہیں سمجھنے کے لئے مجھے غیاث دیکھنی پڑی تھی۔" اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے۔ جن دنوں "ہمایوں" یوسف ظفر کی زیرِ ادارت شائع ہوتا تھا۔ خالد صاحب نے انہیں غزل بھجوائی لیکن ظفر صاحب نے غزل اس نوٹ کے ساتھ واپس کر دی کہ ہمارا رسالہ اردو میں شائع ہوتا ہے۔"

مولانا ماہر القادری نے لکھا — ان کی شاعری آدھی عربی میں ہوتی ہے۔ پاؤ فارسی میں، پچیس فیصد اردو میں . . . ۔ ان کی مادری زبان پنجابی، قومی زبان اردو، مذہبی زبان عربی، ادبی زبان فارسی، سرکاری زبان انگریزی، تفریحی زبان فرانسیسی، چھ زبانیں تو وہ جانتے ہی ہیں پھر انہیں عبرانی بھی تو آتی ہے۔ ان کے ہفت زبان ہونے کا تو مجھے علم ہے ممکن ہے جرمن سے بھی کبھی شوق فرماتے ہوں اور ہو سکتا ہے پشتو یا سندھی یا کشمیری سے بالکل ہی نابلد نہ ہوں اور چونکہ سرکاری ملازم ہیں کیا تعجب ہے کہ بنگلہ بھاشا کے بھی چند الفاظ ازبر ہوں۔

ابنِ انشاء نے محبت آمیز طنز کے ساتھ کہا — ان کے کلام کے ایک بڑے حصے میں ایک مصرعہ اردو کا اور دوسرا عربی کا ہوتا ہے۔ سو اردو والے سے ہم لطف اندوز ہو لیتے ہیں۔ عربی مصرعہ پر آنکھ جھپک کر رہ جاتے ہیں . . . . . علم کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ فارسی، عربی بھی سہی، اس کے بعد خالد صاحب ہندی پر آ گئے۔ یہاں بھی ہم ان کے ساتھ چلے۔ لیکن سنسکرت یہاں ہم بول گئے۔ خیر اپنے مخدوم ڈاکٹر شوکت سبزواری سے پوچھ پوچھ کر اس میں بھی چلے۔ لیکن جب ان کے کلام میں سندھی، عبرانی، سریانی، یونانی، فرانسیسی، جرمنی، جاپانی، سواحلی، اور نیوزی لینڈ کے قدیم قبائل اور گرین لینڈ کے اسکیموں کی زبانوں کے الفاظ ٹھاٹھیں مارنے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے بھی جواب دے دیا کہ اب کوئی اور استاد اور ترجمان ڈھونڈو — سو اس وقت کیفیت یہ ہے کہ ان کے کلام کو جزواً تو عرب، ایرانی، انگریز، اسکیمو، افریقی اور پاکستانی سبھی سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن اوّل سے آخر تک اس کا سمجھنا کسی ایک قومیت کے بس کی بات نہیں۔ خالد صاحب خود اپنا لکھا ہوا تمام سمجھ لیتے ہوں تو یہ اور بات ہے

خالد صاحب نے تمام باتوں کو نہایت خندہ پیشانی سے سنا اور لطیف مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"آپ مجھ سے کیوں کہتے ہیں کہ میں نیچے اتروں، آپ خود اپنے آپ کو اونچا کیوں نہیں کر لیتے۔"

خالد کی شخصیت کچھ اس طرح بکھری پڑی ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں کو یکجا کرنا اگر نہایت مشکل نہیں تو اتنا آسان بھی نہیں۔ شاہد احمد دہلوی کے نزدیک خالد کی شخصیت کی تثلیث کچھ اس طرح بنتی ہے۔

شاعر ـــــ افسر ـــــ انسان لکھتے ہیں "خالد ـــــ جو بہت بڑے شاعر ہیں۔ بہت بڑے افسر ہیں اور بہت بڑے انسان ہیں۔ شاعر اتنے بڑے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ غالب کی طرح ان کی مشکل پسندی کے شاکی ہیں۔ افسر اتنے بڑے کہ کروڑوں روپے کا حساب کتاب کرتے ہیں اور انکم ٹیکس دینے والوں کا ان سے دم نکلتا ہے۔ انسان اتنے بڑے کہ بڑے آدمیوں کو چھوٹا اور چھوٹے آدمیوں کو بڑا سمجھتے ہیں۔"

خالد اتنا بڑا شاعر ہونے کے باوجود بھی خود کو کچھ نہیں سمجھتا اتنی کتابوں کا مصنّف ہونے کے باوجود سمجھتا ہے کہ اس نے ابھی تک کچھ نہیں کیا۔ اپنے بارے میں لکھتا ہے۔ مجھے اپنے جاہل اور بے بضاعت ہونے کا شدید احساس رہتا ہے۔ اتنی زندگی گزر گئی اس میں کیا کیا؟ ساری عمر اکارت چلی گئی خدا کو جا کر کیا جواب دیں گے!"

سرفراز صدیقی

عبدالعزیز خالد کا فن

ہمارے یہاں بہت سے لکھنے والے ہیں جن میں بہت اچھا لکھنے والے بھی ہیں۔ لیکن عبدالعزیز خالد کا نام ہماری شاعری میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف ایک مکمل اسلامی شاعر ہیں بلکہ انہوں نے اردو شاعری کو ایک نیا رنگ بھی دیا ہے۔ ان کی شاعری میں اردو کے ساتھ دوسری زبانوں کی آمیزش سے اس زبان کو نئی وسعت ملی ہے۔ عبدالعزیز خالد نے اردو کو وسعت ہی نہیں دی بلکہ دوسری زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے ایک ایسا گلدستہ مرتّب کیا ہے۔ جس میں الفاظ مہکتے اور حرف چمکتے ہیں اور اس میں زندگی کی رنگا رنگی پوری آب و تاب سے جلوہ افروز ہے۔

خالد کی شاعری میں محبت کی چاشنی کبھی درد میں ڈوبی ہوئی اور کبھی قہقہہ بار نظر آتی ہے، الفاظ کے زیر و بم بھی ہیں اور معنی کی وسعتیں بھی، کہیں خوشیوں کے فوارے چھوٹ رہے ہیں اور کہیں آنسوؤں کی بارش ہوتی ہے یوں کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ قدیم اور جدید شاعری خالد کے تصوّر میں اس انداز سے سمائی ہے کہ قدامت کا خلوص اور جدیدیت کی روشنی ذہن کے دریچوں سے چھن چھن کر شعر کے قالب میں ڈھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، جس پیمانے سے ناپیں خالد کا فن معراجِ کمال پر پہنچا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

خالد کو مسلمانوں کے حالِ زار کا ہی دکھ نہیں وہ سسکتی اور کراہتی ہوئی پوری انسانیت کا درد اپنے سینے میں سموئے ہوئے ہیں۔ ایک طرف وہ پاکستان کے مظلوموں پر آنسو بہاتا ہے۔ دوسری سمت فلسطین کے لئے اشک بار ہے اور تیسری جانب وہ ویت نام کے حریت پسندوں کے لئے بے قرار ہے تمام دنیا کی روندی ہوئی انسانیت اس کے شعر میں موجود ہے ہم خالد کو نظم کی صورت میں دیکھیں یا غزل کے روپ میں وہ پوری گہرائیوں سے ہمیں متاثّر کئے ہوئے ہے اور شعر کی یہ تعریف ہر لحاظ سے مکمل ہے کہ وہ قاری کو متاثّر کرے۔

خالد کی شاعری کا ایک نیا رُخ یہ بھی ہے کہ وہ الفاظ کے نگینے غزل کی انگشتری میں اس طرح پروتے ہیں کہ اگر انہیں آگے پیچھے کر دیا جائے تو بات ادھوری اور نامکمل رہ جاتی ہے گویا یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ جو لفظ وہ جہاں استعمال کرتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ وہیں کے لئے بنا ہے حرف و صوت کی دنیا ہو یا الفاظ کے زیر و بم جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔

اُردو شاعری پر اگر ایک بھرپور نگاہ ڈالی جائے تو ہمیں بے شمار نام نظر آئیں گے جنھوں نے اُردو شاعری کے چمن میں اپنے خونِ جگر سے آبیاری کی ہے۔ اسی چمن کے ایک پھول کا نام عبدالعزیز خالدؔ ہے جس کی مہک سے پورا چمن مہکا ہوا ہے۔ ان کی شاعری نے اسلامی شاعری کے ساتھ ساتھ اُردو شاعری کو ایک نیا رنگ بھی دیا ہے ان کے شعروں میں جہاد کا پیغام ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبال جس شاعری کے متمنّی تھے وہ شاعری خالدؔ نے کی ہے اور ایک معزّز مقام حاصل کیا ہے۔ ان کو اسلام سے گہری محبّت ہے۔ شائد اس کی وجہ سے ان کی شاعری میں اسلام کا نیرِ تاباں دمکتا ہُوا صاف دکھائی دیتا ہے۔ الفاظ کے زیر و بم بھی ہیں اور معانی کی وسعتیں بھی ہیں قدیم شاعری اور جدید شاعری ایک ایسے موڑ پر آ کر خالدؔ کے تصوّر میں سما گئی ہے جس میں قدامت کا خلوص اور جدیدیت کی نئی روشنی خالدؔ کے تصوّر کے دریچوں سے چھن چھن کر شعر کے قالب میں ڈھلتی جاتی ہے۔ بہرحال یہ ہے کہ ہم نقد و نظر سے دیکھیں یا فن کے پیمانے میں تولیں بہرصورت خالدؔ فنِ شعر کی معراجِ کمال تک پہنچ چکا ہے۔ خالد صاحب نے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کو بغور مطالعہ کیا ہے اور اس کا ماحصل ان کا شعر ہے۔ کیونکہ شعر کی یہی تعریف ہوتی ہے کہ وہ قاری کو متاثر کرے اور جناب خالدؔ ہمیں ہر طرف سے متاثر کرتے ہیں۔

آج کل شاعر اور ادیب دوسری زبان کے ترجمے کر رہے ہیں۔ ترجمے دراصل ذہنی کاوش کے لئے ہوتے ہیں اور اس کا اثر کوئی نہیں ہوتا لیکن خالدؔ صاحب نے ہوچی منہ کی نظموں کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے اردو ادب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ اُن کی اس کتاب کو جس کا نام "پروازِ عقاب" ہے اگر ہمارے موجودہ نصاب میں شامل کر لیا جائے تو نئی نسل پر ان کا احسانِ عظیم ہوگا۔

کیوں کہ نوجوان نسل کو عبدالعزیز خالدؔ کی شاعری کی ضرورت ہے۔ خالدؔ صاحب اس دور کے واحد شاعر ہیں جنہیں شہرت حاصل ہوئی ہے۔ وہ کس قدر مقبول شاعر ہیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔ مئی ۱۹۷۵ء میں دیال سنگھ کالج میں ان کے ساتھ ایک شام منائی گئی۔ وہ لاہور کی تاریخ میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے کیونکہ جتنے سامعین تشریف لائے تھے اتنے میں نے کسی اور کے ساتھ منائی گئی شام میں نہیں دیکھے۔ نشستوں کی کمی کی وجہ سے بیشتر لوگ تمام وقت کھڑے رہے اور خاموشی سے محبوب شاعر کی شاعری پر مقالات اور منظومات سنتے رہے جس دن یہ شام منائی گئی اس روز لاہور میں سخت گرمی تھی مگر اس باوقار شام کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ حال ہی میں ماہنامہ "تحریریں" نے عبدالعزیز خالدؔ نمبر شائع کیا تھا۔ اس نمبر میں ہر لکھنے والے نے دل کی گہرائیوں سے لکھا تھا اور آپ کی عظمت کو تسلیم کیا ہے اور لفظوں کے موتی بکھیر کے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ یعنی اس شاعر کو ہر طبقۂ فکر کے لوگوں نے سراہا ہے۔

خالدؔ صاحب ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نیک دل اور فرشتہ صفت انسان بھی ہیں۔ ان کا چہرہ ہمیشہ نسیم سحر کی طرح مسکراتا رہتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری سے اسلامی رجحانات کو فروغ دیا ہے۔ اس دَور کے شاعروں میں بہت کم ایسے شاعر ہیں جنہیں خالد صاحب جیسا تجربہ حاصل ہو اور دوسری زبانوں پر عبور حاصل ہو۔ الفاظ ان کے آگے کنیز کی سی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے جس طرح چاہیں کھیلتے ہیں۔ بلاشبہ وہ تاجدارِ معانی و الفاظ ہیں۔

ن ۔ خاتون

خاکسترِ پروانہ

عبدالعزیز خالد کی نظم "خاکسترِ پروانہ" کا بند ہے ؎

آتشِ بیگانہ کے دریوزہ گر ۔ انجم نما!!
ہیں یہ بے تہہ فیضِ پرورد پھرروں نماز
ایک میں ہوں شعر و نغمہ کی مئے سرجوش سے
کلبۂ احزاں کی خلوت میں رہینِ سوز و ساز
یہ مرا سامانِ ذوق
یہ مرا طغیانِ شوق
جوششِ دریائے خوں
جادۂ راہِ جنوں
زندگی ان کے لیے
درخت و فرزند و قماش و نقرہ وکمخواب ہے
زندگی میرے لیے
اک خمستاں بادہ ، اک تاتارِ مشکِ ناب ہے
ہر پریشاں جلوہ اس وجدان کو مضراب ہے

یہ پوری نظم اسلوبِ بیان کے اعتبار سے بڑی کامیاب ہے۔ مصرعوں کے مختلف اوزان اور الفاظ کی شان و شوکت کے بلند و آہنگ اعلیٰ تخیلات کو سنبھالا دیئے جا رہے ہیں۔ شاعر کے فکر کی دھمک میں جو گہری موسیقی پیوست ہے اس کا اظہار ہلکے پھلکے الفاظ سے نہیں ہو سکتا۔ خالد کی بیشتر نظمیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جس کی تفصیل بڑی گراں گزرے گی۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ خالد کے ذہن میں جو موسیقی گونج رہی ہے یا جس موسیقی کو وہ اپنی نظموں میں ڈھالتا ہے وہ غالب اور اقبال کی موسیقیت اور ٹھمگی سے مناسبت رکھتی ہے۔ جو دبیر سے مختلف ہے۔ ایک فن کار کے طریقۂ اظہار اسلوب بیان پر اس کے سوچنے اور اس کے مزاج کی موسیقیت کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ خالد کی شاعری مشکل پسند ہے اور اس کے سمجھنے کے لیے ذہنی کاوش کی ضرورت ہے۔ اس کی شاعرانہ تخلیق میں وجدانیت سے زیادہ ذہن کا دخل ہے۔ جس میں خیال پکتے رہتے ہیں اور اُن میں ایک طرح کی ”گمبھیریت“ پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اپنے اظہار کے لیے شاندار الفاظ کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ یہ بند جس نظم سے لیا گیا ہے اس میں ایک فنکار کے جذبات اور اس کے نفسیاتی ردِّ عمل کا اظہار ہے۔ ممکن ہے عبادت صاحب کے نزدیک اس میں ابہام ہو۔ کیونکہ یہ نظم فوری طور پر ذہن کی گرفت میں نہیں آتی۔ جتنی کاوش اور محنت سے یہ نظم کہی گئی ہے اتنی ہی محنت و کاوش اس کے سمجھنے کے لیے بھی درکار ہونا چاہیئے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے خالد نئے شعراء میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔

مطالعے

فارقلیط

علی سفیان آفاقی

عبدالعزیز خالد اُردو زبان کے ان شاعروں میں شامل ہیں جو محض الفاظ کی الٹ پھیر کے ذریعہ پامال و فرسودہ موضوعات کو رنگینیٔ بیان کے لفافوں میں پیش کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ کچھ لوگ الفاظ کے بل پر شاعری کرتے ہیں اور کچھ علم کے بل پر۔ خالد صاحب کا شمار دوسری قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ ان کی شاعری علم اور دانش کے مضامین سے پُر ہوتی ہے۔ موضوع وہ اپنی پسند کا لیتے ہیں اور اس کے اظہار کے لیے بھی مروّجہ اسلوب کی مدد نہیں لیتے۔ عموماً ان کی شاعری کا محور قرآن اور رسول کریمؐ کی ذات والاصفات ہوتی ہے۔ اسلام کا فلسفہ اور اسلام کی تعلیمات دوسرے شاعروں نے بھی پیش کی ہیں مگر عبدالعزیز خالد کی شاعری صرف اور صرف اسی ایک موضوع سے عبارت ہے۔ انھوں نے قرآن کے مضامین کو نت نئے انداز میں شاعری کے ذریعے اُردو زبان سے متعارف کرایا ہے۔ قرآن کی باتیں، حکمت و دانش کی باتیں اور رسول کریمؐ کی شخصیت اور اوصاف۔ یہ ان کی شاعری کا حاصل ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی اس کاوش کو نہ عوام النّاس نے سراہا اور نہ ہی نقّادوں نے اس کا نوٹس لیا۔ باقی رہے سرکاری حلقے تو ان کو شاعروں کی ایک مخصوص نسل کی سرپرستی سے فرصت نہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ پچھلے نو دس سالوں میں ہمارے ملک میں خاص طور پر اسلام اور نظام اسلام کا بہت چرچا رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک ایسے شاعر کا کلام سرکاری ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھی لوگوں تک پہنچانے پر توجہ نہیں دی گئی جس نے صحیح معنوں میں قرآن اور احادیث کو اُردو شاعری میں روشناس کرایا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ "شاعر اسلام" کے خطاب کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ شاعروں اور ادیبوں کی گروہ بندیوں سے بے تعلق ہیں۔ مشاعروں، رونمائیوں اور دیگر ادبی مجالس سے کنارہ کش رہتے ہیں، ذاتی تشہیر سے بے نیاز ہیں۔

انہیں صحیح معنوں میں "درویش" کہا جا سکتا ہے۔ وہ خاموشی سے اپنے گوشۂ عافیت میں وضعداری اور دیانت داری کے ساتھ اپنے سرکاری فرائض اور شاعرانہ حقوق کی ادائیگی میں مصروف رہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جس شخص کی کوئی مضبوط "لابی" نہ ہو وہ ہمارے آج کے معاشرے میں ادبی یا سرکاری محاذ پر کیوں کر پیش قدمی کر سکتا ہے؟

خالد صاحب کی تازہ تصنیف "فارقلیط" موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے اُردو ادب میں ایک انوکھی اور منفرد کوشش ہے۔ سب سے پہلے تو اس کتاب کے موضوع ہی کو دیکھ لیجئے۔ "فارقلیط" عربی کا ایک مرکب لفظ ہے جو فارق اور لیط کو ملا کر بنا ہے۔ فارق کے معنی ہیں پھاڑنے والا یا سر کچلنے والا، اور لیط کے معنی ہیں شیطان گویا "فارقلیط" کے معنی ہیں "شیطان کا سر کچلنے والا"۔ اب ظاہر ہے کہ شیطان کا سر کچلنے والا یہ بشر ساری کائنات میں محمد عربیؐ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ کتاب کا آغاز عربی کے مایۂ ناز شعراء کے کلام کے اقتباسات سے کیا گیا ہے اس کے بعد رسول اکرمؐ کی شان میں حضرت گرامی کے اشعار ہیں۔ جس کتاب کا آغاز یہ ہو اس کے متن کی تفصیل کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں ہے۔ "فارقلیط"

کو مضامین کے اعتبار سے خالد صاحب نے سات حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہر باب کو ایک کتاب کا نام دیا ہے۔ اس طرح پہلی کتاب سے لے کر ساتویں کتاب تک اس کی فہرست میں شامل ہیں۔ پہلی دو کتابیں نعت کی کتابیں ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے ؎

میں فرشِ زمیں ہوں تو سقفِ سما ہے
میں سانسوں کا مہماں تو موج ہوا ہے

نعت اور حمد عبدالعزیز خالد صاحب کا مرغوب موضوع ہے اور اس ضمن میں ان کی اوّلین کتابیں بھی شمار کی جا سکتی ہیں۔ ان کی نعت میں دو خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ نت نئے مضامین نو بہ نو انداز میں باندھتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اس سلسلے میں جن تلمیحات و استعارات یا افراد و واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں ان کی تفصیل یا معانی حواشی میں بیان کرتے جاتے ہیں۔ گویا اس لحاظ سے ان کی لکھی ہوئی نعت محض نعت نہیں ہوتی بلکہ معلومات کا ایک مخزن ہوتی ہے۔ جو ان کے علم و دانش اور تحقیق و مطالعہ کا ثبوت ہے۔ ایک اور خیال جو ان کے اشعار و کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کا احاطہ کرتا ہے، یہ ہے کہ انہیں عربی زبان پر مکمّل عبور حاصل ہے۔ اُردو شعراء میں قادر الکلام شاعر معدودے چند ہی ہیں جنھیں زبان، اسلوب، تکنیک اور اظہار پر عبور حاصل ہے۔ عبدالعزیز خالد کا شمار بھی ان معدودے چند شعراء ہی میں ہوتا ہے جن کی زبان و بیان پر مطلق العنان حکمرانی ہے۔ الفاظ اور تراکیب ان کے قلم سے بے ساختہ رواں ہو کر نکلتی ہیں اور پڑھنے والا حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ میر انیس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ الفاظ پر انہیں اس قدر قدرت حاصل تھی کہ وہ ہاتھ باندھے اُن کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ ایک ہی مضمون کو سو انداز سے بیان کرنا ان کا امتیازی وصف ہے۔ الفاظ اور زبان کی قادر الکلامی کے سلسلے میں علاّمہ اقبال اور جوش ملیح آبادی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ مگر میں جب کبھی عبدالعزیز کی کتاب پڑھتا ہوں ان کی قادر الکلامی سے مرعوب ہو کر رہ جاتا ہوں۔ "فارقلیط" میں بھی ان کا یہ امتیازی وصف نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کے انداز بیان کی ایک اور ندرت یہ ہے کہ سنسکرت پر عبور رکھنے کی وجہ سے وہ ہندی آمیز آسان اور میٹھی اُردو لکھنے سے بھی نہیں چوکتے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ عربی اور فارسی کے الفاظ کی ریل پیل میں اچانک ہندی اصطلاحوں اور الفاظ کو ایسی غیر محسوس نزاکت اور مہارت سے پروتے ہیں کہ یہ دو یکسر متضاد مختلف زبانیں ایک دوسرے میں سمو جاتی ہیں اور پڑھنے والے کو ذہنی الجھن محسوس نہیں ہوتی۔ ان کے کلام کا یہ انداز "فارقلیط" میں بھی جا بجا موجود ہے اور ایک انوکھا لطف دیتا ہے۔

رسول کریمؐ کی زندگی اور واقعات کے بیان کے بعد "تیسری کتاب" قرآن پاک کے بارے میں ہے۔ کتاب کے اس حصّے میں خداوند تعالیٰ کی مدح اور توصیف کے ساتھ ساتھ اس کے اوصاف و اختیارات کا بیان کیا گیا ہے۔ حمد باری تعالیٰ اس باب کا موضوع ہے لیکن اس تذکرے میں اُنھوں نے نہایت ہنرمندی کے ساتھ مسلمان کے اوصاف کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً:

ہجوم مصائب میں شادان و فرحاں
زباں نغمہ سنج ثنائے خدا ہے
ہے صبر و سماحت ہی ایمان باللہ
وہ مومن نہیں جو تنک حوصلہ ہے

پانچویں کتاب اسلامی تاریخ کے بارے میں ہے۔ اس حصّے میں خلفائے راشدین کا تذکرہ ہے اور اسی ضمن میں حادثۂ کربلا بھی موضوع بن گیا ہے۔ خلفائے راشدین کی حیات مقدّسہ میں جو اہم واقعات رونما ہوتے تھے انہیں اس باب میں موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ ان میں روایات اور مشہور حکایات بھی شامل ہیں۔ ایک کتاب ان خواتین کے تذکروں کے لیے وقف کی گئی ہے۔ جن کا تاریخ اسلام میں کسی نہ کسی ضمن میں تذکرہ موجود ہے۔ دراصل خالد صاحب حضرت امام حسنؓ کی زندگی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے۔ روایت ہے کہ ان کی بیگم نے انہیں زہر پلا دیا تھا۔ خالد صاحب نے صرف

اس ایک واقعہ پر اکتفا نہیں کیا۔ اس باب میں بے شمار عورتوں کا ذکر ہے جن پر اپنے شوہروں کے قتل کا الزام ہے۔ یہ ایک دلچسپ اور زرخیز موضوع ہے اور غالباً مصنّف کا دلپسند موضوع بھی ہے۔ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جاچکا ہے "فارقلیط" محض شاعری کی کتاب نہیں ہے۔ یہ سوانح بھی ہے، تاریخ بھی ہے، تذکرہ بھی ہے، حکایت و روایت بھی ہے۔ ایک انتہائی وسیع کینوس ہے جو پڑھنے والے کے سامنے پھیلا ہوا ہے اور شاعر نے اس کی مشکل آسان کرنے کے لیے یہ سہولت بھی فراہم کردی ہے کہ واقعات و کرداروں کے بارے میں معلوماتی حاشیے انگریزی اور عربی کتب سے اخذ کر کے قارئین کے لیے فراہم کیے ہیں۔ تاریخ اسلام دلچسپ اور عبرت انگیز واقعات سے پُر ہے اور اس کتاب کے مصنّف نے اس کتاب میں تمام قابل ذکر واقعات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہیں آپ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تذکرہ نظر آتا ہے تو کسی جگہ حجّاج بن یوسف کی زندگی کے حالات کی کڑیاں بکھری ہوئی ملتی ہیں ایک اور باب مسلمانوں کی موجودہ حالت زار کے احوال سے پر ہے اور ساتویں اور آخری کتاب میں مصنّف نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا ہے اور اس کی تہی دامنی کا اعتراف ہے۔

میں عالم نہ فاضل نہ مفتی نہ قاضی
سمجھتی ہے دُنیا سند یافتہ ہے
حکومت نہ حکمت، نہ صورت نہ سیرت
"اَیَا اَسَفْ نَفْسِی!" مرے پاس کیا ہے
میں کھاتا ہوں آہیں پیتا ہوں نالے
جبیں گرد آلودِ راہِ خدُا ہے

عبدالعزیز خالد نے اس کتاب کو شاعرانہ مہارت اور خیالوں کی بلندی سے سجایا ہے۔ میں نے آغاز میں لکھا ہے کہ یہ اُردو میں اپنی نوعیت کی "انوکھی" کتاب ہے۔ اس لحاظ سے کہ یہ شاعری بھی ہے، حکمت بھی ہے، مذہبی مطالعہ بھی ہے اور تاریخ اسلام کے اوراق کی ورق گردانی بھی ہے۔ ایسی کتابیں اُردو ہی کیا شاید دوسری زبانوں میں بھی کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔

ماذ ماذ

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

ماذ ماذ عبد العزیز خالد کا جمالیاتی تخلیقی نعتیہ شہکار ہے جو جمالِ عجمیّت اور جلالِ عربیّت سے مزیّن ہے۔ یہ ندرتِ خیال، جودتِ طبع، شوخیٔ زبان، جدّتِ بیان، نیز دردِ انسانیت اور محبتِ رسولؐ کا مظہر ہے۔ اپنی ان خوبیوں کی بدولت اگر یہ جمالیاتی ذوق کی تسکین کا سامان ہے تو اہلِ ذوق و شوق کے لیے اس میں جمالیاتی ثروت بھی ہے، اور یہ خوبیاں اس کی لبقائے دوام کی ضامن بھی ہیں۔

دورِ حاضر کے پاکستانی ادب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قومی اور علاقائی زبانوں کے شعراء کی اکثریت نعت گوئی کی طرف مائل ہے اور اس مقدّس صنفِ شعر میں ان کی ادبی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ ان میں سے تین شعراء ایسے ہیں جنھوں نے اس صنف میں نئے تجربات کر کے نہ صرف اُردو ادب بلکہ ادبیاتِ نعت کی ثروت میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ حکیم الاُمّت علامہ اقبال، ابوالاثر حفیظ جالندھری اور عبد العزیز خالد۔ علامہ اقبال کی نعت فلسفہ و تغزّل کے حسین امتزاج کی آئینہ دار ہے۔ حفیظ نے شاہنامۂ اسلام لکھ کر نیا تجربہ کیا اور نام پیدا کیا۔ اس منظوم سیرتِ طیّبہ میں مؤثر نعتیں بھی ہیں۔ خالد کی مابہ الامتیاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر نعت کا شاعر ہے۔ اس کے جذبات و احساسات اور افکار و تخیّلات اس کی طبعِ موزوں کے سانچے میں ڈھلتے ہیں تو نعت کی صورت میں اپنا جلوہ پیدا کرتے ہیں۔ اس کی دوسری خوبی زبان و اندازِ دیگر ہے۔ وہ عربی کے الفاظ و محاورات، تشبیہات و استعارات اور تلمیحات و روزمرّہ کو اُردو زبان کے قالب میں اس چابکدستی سے ڈھالتا ہے کہ وہ ممدوحِ محمود کی زبان کی نمود رکھتی اور آپؐ کے منظورِ نظر حسّان بن ثابتؓ کی نعت اور آپؐ کے منعم الیہ حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدۂ بُردہ بانَت سُعاد کی تاثیر رکھتی ہے۔ ان امتیازی خصوصیات نے جہاں خالد کو منفرد نعت گو شاعر بنا دیا ہے، وہاں ان لوگوں میں مشکل گو معروف ہو گیا ہے، جو عربی زبان یا ذوقِ عربیّت سے کم آشنا یا نا آشنا ہیں۔ خالد کی ایک امتیازی خوبی عشقِ رحمۃ للعالمینؐ کے ساتھ محبتِ انسانی ہے۔ وہ انسان کو معزّز و مکرّم اور آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے عصبیّت سے نفرت ہے۔ وہ اپنے ممدوحِ محمودؐ کی تحریکِ رحمت للعالمینی کے حوالے سے رحمتِ عالم یعنی کل اولادِ آدم سے محبّت و احسان کرنے کا درس دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک آپؐ کی تحریکِ اسلام کی غایت، سنّتِ حسنہ اور نعت کی مقصدیّت یہی ہے کہ انسان ربّ العالمین کی کل حسین مخلوقات کے لیے رحمت بن جائے۔ چنانچہ انسان کی آزادی و تکریم کا نقیب خالد اپنے ممدوحِ محمود صلّی اللہ علیہ وسلم کے حوالے

ے کس درد و سوز سے کہتا ہے :

سُوئے طیبہ جب گزر ہو تیرا اے بادِ وزاں ۔۔۔ ذاتِ پاکِ شاہ گیہاں را اسلامِ من رساں
سرورِ والاحشم ، وہ سیّدِ عالی ہمم ۔۔۔ مہترِ اولادِ آدم ، خواجۂ کون و مکاں
جو کرے انصاف نرمی سے ، حکومت صبر سے ۔۔۔ اپنے بچوں پر پرندہ جس طرح ہو مہرباں
دی بشارت جس نے : اُوتِیتُ مفاتیحَ الکَلِم ۔۔۔ وہ نقیبِ اعظمِ آزادیِ فکر و بیاں

جس کا قول : اَنتُم بَنُو آدم و آدم مِن تُراب ۔۔۔ قہر ہیں انسان پر انسان کی پابندیاں
آدمی کے سامنے کیوں سرنگوں ہو آدمی ؟ ۔۔۔ دینِ فطرت میں ملوکیّت کی گنجائش کہاں ؟
کیا اسی کو بخشی اللہ نے خلافت ارض کی ۔۔۔ یہ جو ہے صیدِ زبونِ قہرمانانِ جہاں ؟
علم و دانش کو کچل ڈالا جمود و جبر نے ۔۔۔ وائے لذّت کوشی و دل تنگیٔ اسلامیاں ؟
جنّتی وہ ہے مَن اَحیا سُنّتی مِن سُنّتی ۔۔۔ سُنّت اس کی حفظ و تسلیمِ حقوقِ دیگراں

اس کو کہتے ہیں نعت ۔ یہ ہے رحمۃ للعالمینؐ کی شانِ اقدس میں مثالی قصیدہ یا نعت ۔ اسی بنا پر خالدؔ اپنے متعلق یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ

ہے مری موجِ نفس بھی نفخۂ روحُ القدس ۔۔۔ کیوں نہ ہو بُوصیری و حسّان کا ہوں ہم زباں

نعت و فکر کی جہتِ صالحہ اختیار کر کے ، نیز اس کے گلشنِ اُردو کو افکارِ تازہ و شاداب اور عربیّت کے گلہائے نظر افروز سے مزیّن کر کے خالدؔ نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ قابلِ ستائش بھی ہے اور اس کی شہرت و بقائے دوام کا ضامن بھی ۔

خالدؔ کی تعریف میں اہلِ نقد و نظر عام طور سے یہ کہتے ہیں اور درست کہتے ہیں کہ اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ Vocabulary بہت زیادہ ہے اور الفاظ اس کی نوکِ قلم پر آنے کے منتظر رہتے ہیں ، لیکن ماذ ماذ اور اس کے دیگر شعری مجموعے اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ الفاظ کی طرح افکار بھی جوق در جوق اس کے کلام کی زینت بننے کے لیے بے قرار اور اس کے قلزمِ کلام میں رواں دواں رہتے ہیں ۔

ماذ ماذ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک ہے اور اس کے معنی طیّب طیّب ہیں ۔ کلامِ طیّب کے معنی ہیں : پاکیزہ و حسین ، نشوونما پانے والا معطّر و ثمر دار کلام ۔ اس اعتبار سے ماذ ماذ اسمِ بامُسمّٰی کلام ہے ۔ اس کے مطالعہ سے فکر کی تطہیر و ترفیع اور ذوقِ حسنِ نعت کی تسکین بھی ہوتی ہے ۔ درد و سوزِ آرزومندی بھی پیدا ہوتا ہے ؛ حاملِ خلقِ عظیم اور رحمۃ للعالمینؐ کی سُنّتِ حسنہ اور دینِ اسلام کی غایت سے آگہی بھی ہوتی ہے ؛ دل میں غمِ انسانیت بھی پیدا ہوتا ہے اور جذباتِ محبّت پرورش بھی پاتے ہیں ۔ علاوہ ازیں ، اسے بار بار پڑھنے سے حسن و زندگی اور انقلاب کی آرزو بھی دل میں نشوونما پانے لگتی ہے ۔ اس لحاظ سے ماذ ماذ بار بار پڑھنے بلکہ حرزِ جاں بنانے کی چیز ہے ۔ یہ بلاشبہ ان عالمی معیار کی زندۂ جاوید کلاسیکی کتابوں میں سے ہے ، جن کے بغیر کسی نجی یا سرکاری کتب خانے کی تکمیل نہیں ہو سکتی ۔ طلباء کو بالخصوص اور اہلِ علم و قلم کو بالعموم مسلم روایات سے آشنا کرنے ، ان میں صحیح ذوقِ نعت عربیّت پیدا کرنے کے لیے ماذ ماذ نصابی کتب میں شامل ہونے کی مستحق ہے ۔ اس کے حسنِ صوری کے لیے ناشرین اور حسنِ معنوی کے لیے خالدؔ مبارک باد کے مستحق ہیں ۔

آخر میں اگر میں یہ کہوں کہ خالدؔ وادیِ عشقِ رسولؐ میں نعت گو شعراء کے میرِ کارواں ہیں تو مبالغہ نہیں اعترافِ حقیقت ہوگا ، نیز ماذ ماذ سمیت ، اس کا سارا کلام اپنی متذکرہ بالا خوبیوں کی بنا پر احیائے اسلام کی تحریک میں مؤثّر کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے ، لہٰذا اسے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے تمام سٹیشنوں سے بالالتزام نشر ہونا چاہیے ۔

حسن اکبر کمال

عبدالعزیز خالد ہمارے اُن مشہور شعراء میں شامل ہیں جو دیگر مسائل دُنیا سے لاتعلق رہتے ہوئے صرف شعر گوئی کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں ان کو ادبی حلقہ بندیوں اور حصول شہرت کی تگ و دو سے بھی کبھی واسطہ نہیں رہا وہ پڑھنا اور لکھنا ایسی اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں جس کے مقابلے میں شہرت و ناموری کی دوڑ میں شرکت بے معنی شے ہے۔ عبدالعزیز خالد کی بہت سی تصنیفات میں جو مختلف اصنافِ شعر کو اپنے دامن کو سمیٹے ہوئے ہیں مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کو حمدیہ و نعتیہ شاعری سے ایک تعلق قلبی و روحانی ہے ان کے نعتیہ کلام کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے ہیں جن میں زیر تبصرہ مجموعہ ماذ ماذ بھی شامل ہیں۔

عبدالعزیز خالد کے کلام میں عشق نبیؐ کے ساتھ ساتھ ایک فلسفیانہ گہرائی اور فکر عمیق کا عنصر اُن کو عہد حاضر کے دیگر نعت گو شعراء میں ممتاز و منفرد بناتا ہے ہر شعر کے پس منظر میں مطالعے اور غور و فکر کی روشنی جھلکتی ہے عبدالعزیز خالد محض سراپا نگاری یا مدینہ بلائے جانے کی تمنا کی تکرار کو نعت گوئی کی اساس نہیں سمجھتے وہ حضورؐ کی سیرت مبارکہ اور عملِ صالح کے ہر پہلو کو موضوعِ شعر بنانا اور اہل نظر کو آپؐ کے اوصافِ حمیدہ سے زیادہ سے زیادہ باخبر کرنا چاہتے ہیں۔

عبدالعزیز خالد کی نعت اپنے تمام فنی محاسن خلوص و عقیدت اور جذبۂ صادق کی بنا پر اُردو نعت گوئی کے خزینے کا قابل قدر حصہ ہے۔

حامد یزدانی

عبدالعزیز خالد، اُردو کے صاحبِ طرز شاعر ہیں۔ ان کے چھ نعتیہ مجموعے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں "فارقلیط"، "منحمنّا"، "حمطایا"، "ماذ ماذ"، "طاب طاب" اور "عبدہٗ" شامل ہیں۔ ان کی اُردو شاعری میں فارسی اور عربی زبانوں کے حسین امتزاج نے جس منفرد انداز کو جنم دیا ہے، وہ ان کی نعت میں بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کا انداز بلاشبہ متاثر کن ہے "ماذ ماذ" میں شامل ایک آزاد نعتیہ نظم میں آسمانی صحیفوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کا تذکرہ کرنے، عظمتِ رسولؐ اور توقیر دربار نبویؐ کو بیان کرنے، حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی ذات اور آج کے بے بس انسان کی حیثیت کا موازنہ کرنے کے بعد وہ نبی محترمؐ کا مقام بیان کرتے ہیں اور اپنے عجز بیان کا اظہار کرتے ہوئے حضور پاکؐ سے اپنی والہانہ الفت و محبت کا ذکر یوں کرتے ہیں: ؎

تیری مدّاحی کا دم بھرتا ہے خالد تیرا
اس کے بس میں ہے فقط تجھ سے محبت کرنا
وہ ترا ناعت و منّاد وہ حامد تیرا
اس محبت کے ہیں احوال و مظاہر کتنے
ضوفشاں چرخِ بریں پر ہیں ستارے جتنے
دامن شام و سحر میں ہیں نظارے جتنے
وسعتِ عالم امکاں میں ہیں جلوے جتنے
اور پیشانیٔ انساں میں ہیں سجدے جتنے

اب بتائے گی تجھے صبحِ ابد ہی تنہا
اے حبیبؐ دلجو!
کتنا محبوبؐ ہے تُو
کی گئی تیری ستائش تیری مدحت کتنی
آیتِ گنبدِ نی
اے رسولؐ مدنی!

نوائے وقت لاہور

ماذماذ اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام ہے قاضی عیاض کے مطابق جو سلف کی کتابوں میں مذکور ہے اور اس کے معنی ہیں طیب طیب یہ جناب عبدالعزیز خالد کے نعتیہ کلام کا ایک مجموعہ ہے۔

عبدالعزیز خالد اُردو کے ایک منفرد و ممتاز شاعر ہیں ان کے وسیع و عمیق مطالعہ اور متعدد زبانوں کی نبض شناسی نے ان کی شاعری کو اہل علم و فضل اور صاحب ذوق حضرات کے لیے خاصے کی چیز بنا دیا ہے ان کا کلام رنگ و انداز، اسلوب و فکر اور لے کے لحاظ سے بالکل نیا اور اچھوتا ہے جس کی مثال اُردو شاعری میں پہلے نہیں ملتی اُردو کے نعت گو شعراء میں خالد صاحب کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ ان کا عربی و فارسی زبانوں کا عمیق مطالعہ اور سیرت رسول سے گہری دلچسپی ہے ان کی نعتوں میں قرآن و حدیث کے جملے نگینے کی طرح جڑے ہوتے ہیں اور عربی شعراء اور حکماء کے اقوال اس حسین انداز میں استعمال کرتے ہیں کہ گویا یہ ان کا ہی فرمودہ ہے اس سے قبل ان کے نعتوں کے تین مجموعے فارقلیط، منحمنا اور حمطایا وغیرہم شائع ہو چکے ہیں اور صاحب علم اور اہل ذوق حضرات سے داد پا چکے ہیں۔

جناب عبدالعزیز خالد کے نعتیہ کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جہاں اس میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جذبات و عقیدت کے گہرے رنگوں کے پھول ملتے ہیں وہاں ان کے علم و مطالعہ کی متانت سنجیدگی اور تدبر کے سرو سمن بھی حاصل ہوتے ہیں اور قاری جہاں ان سے دل کا سرور پاتا ہے وہاں دماغ کا نور بھی اسے ملتا ہے۔

عَبدُہٗ

سیارہ ڈائجسٹ لاہور

عبدالعزیز خالد نے شاعری کو ایک عبادت بنا دیا ہے۔ اُن کی نعتوں میں جس قدر آیاتِ قرآنی اور احادیث کا حوالہ ہوتا ہے اُس سے بعض اوقات پڑھنے والوں کو یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید موصوف عربی زبان کے شاعر ہیں جو اپنے کلام میں کبھی کبھی اُردو الفاظ کا مناسب استعمال بھی انتہائی خوش اسلوبی سے کرتے ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب عَبدُہٗ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اُنھوں نے عربی زبان اور آیاتِ قرآنی کے استعمال کا ایک نیا تجربہ کیا ہے مگر اسلوب کچھ ایسا اپنایا ہے کہ پڑھنے والا کلام کی روانی اور اُس کے بہاؤ میں بہتا چلا جاتا ہے۔ شاعر موصوف لفظوں کے ساتھ جس مہارت اور خوبصورتی سے کھیلتے ہیں۔ وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔

روزنامہ جنگ لاہور

عبدالعزیز خالد کہنے کو تو اُردو میں شاعری کرتے ہیں لیکن ان کے اشعار میں عربی اور فارسی کے الفاظ اس کثرت سے آتے ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ شاعر کی اصل زبان کونسی ہے۔ فارسی عربی کے علاوہ بھی بعض دوسری زبانوں کے الفاظ کا استعمال ان کی شاعری میں عام ہے۔ خالد صاحب قادر الکلام شاعر ہیں اور مختلف زبانوں کے الفاظ ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ مشکل سے مشکل الفاظ کے استعمال کی جو قدرت انہیں حاصل ہے عصرِ حاضر کے بہت کم شاعروں کے حصے میں آئی ہے۔ وہ طویل نظم کہتے ہیں اور اپنے دل کی دھڑکنوں کو اپنے کلام میں پوری طرح سمو دیتے ہیں۔ ان کی کتابوں کی تعداد اتنی ہے کہ بقول حضرت وقار انبالوی انہیں اگر اُوپر نیچے رکھا جائے تو کتابوں کا قد خالد صاحب کے اپنے قد سے بڑھ جائے۔

خالد کی شاعری کا بنیادی موضوع نعتِ پیغمبرؐ ہے۔ فارقلیط منحمنّا، حمطایا، ماذ ماذ جیسی کتابیں اُن کی نعتیہ شاعری کے مجموعے ہیں۔ ان کی شاعری کا اسلوب بالکل انوکھا اور نرالا ہے۔ اُردو نعت گوئی میں امیر مینائی، محسن کاکوروی، ندرت میرٹھی، اقبال اور ظفر علی خاں نے بڑی وسعت پیدا کی تھی۔ عبدالعزیز خالد نے ان تجربات سے استفادہ کیا لیکن اپنے لیے ایک ایسا راستہ نکال لیا جو بالکل ہی منفرد راستہ ہے۔ بقول مولانا نعیم صدیقی "خالد نعت کے ساتھ سیرت و سوانح بلکہ تاریخ کو بھی شامل کر لیتا ہے"۔

عبدالعزیز خالد کی شاعری میں جس طرح الفاظ کا شکوہ اور بانکپن موجود ہے اسی طرح ان کی شاعری کے موضوعات بھی متنوّع و ہمہ گیر ہیں۔ نعت کے بعد قومی اور ملی موضوعات ان کا من پسند موضوع ہیں۔ موضوع کوئی بھی ہو خالد صاحب کا رنگ سخن صاف پہچانا جاتا ہے۔ آج کے دور میں شاید ہی کوئی شاعر اس شکوہِ الفاظ کا مالک ہو جو خالد کا خاصا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب "عبدہٗ" کی نعتیہ شاعری بھی خالد صاحب کی پوری نعتیہ شاعری کا نمونہ ہے جس میں ان کی نعت گوئی کا رنگ بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہی شکوہ الفاظ، وہی عقیدت و محبّت، وہی دعائیں وہی مناجات اسی نعتیہ نظم میں بھی ان کی سابقہ شاعری کا حسن موجود ہے۔

خالد اپنی شاعری میں قرآن کی آیات و احادیث کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بڑی خوبصورتی سے سجاتے ہیں ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماہر نگینہ ساز نے یہ نگینے ٹانک دیئے ہیں۔ "عبدہٗ" کا منظوم انتساب بھی اپنے انداز فکر و نظر کے بہت سے پہلو رکھتا ہے اور انھوں نے زندگی کے مختلف طبقوں کو اپنے انتساب کے لیے منتخب کیا ہے۔ دوسرا انتساب معروف نعت گو شعراء کے نام ہے جو ایک طرح سے ان شعراء کا اعترافِ عظمت ہے۔ جن سے خالد صاحب نے بھی کسی حد تک کسب فیض کیا ہے۔ انتساب کا خاتمہ اسی خواہش پر ہوتا ہے۔

میں کاش نعتِ پیغمبرؐ میں نام کر جاؤں
یہی دعا ہے، یہی آرزو، یہی سودا

صوفی فقیر محمد

جناب عبدالعزیز خالدؔ کی تازہ کتاب نعت "عبدہٗ" پڑھ کر خراج تحسین:

محمدؐ کی مدحت میں مصروف خالدؔ
ہے حُبِّ محمدؐ میں مشغوف خالدؔ
کہ خالدؔ کے دل میں ہے فکرِ محمدؐ
کہ خالدؔ کے لب پر ہے ذکرِ محمدؐ
اُسے شوقِ تسبیح نامِ محمدؐ
ہے کام اُس کا شرحِ کلامِ محمدؐ
محمدؐ کا مذہب ہے خالدؔ کا مشرب
کہ ہے نیک نسبت کہ ہے پاک منصب

محمدؐ جو کونین کی آبرو ہے!
وہی عبدہٖ ہے وہی عبدُہٗ ہے!
وہی نعت کا محورِ گفتگو ہے
وہی شعر کا مرکزِ جستجو ہے!

دماغوں میں بستے ہیں افکارِ خالدؔ
دلوں میں اُترتے ہیں اشعارِ خالدؔ
دُعا سے لیا کام خالدؔ نے اپنا
کیا نعت میں کام خالدؔ نے اپنا

تو نے لکھی ہے کتابِ نعت اے صاحبِ جنوں!
از رہِ تصدیق میں بھی دستخط اس پر کروں!

طاب طاب

غلام رسول اظہر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم سرِ دفترِ انبیاء ہیں آپؐ کے ورودِ مسعود کی نوید جاں فزا اپنے اپنے زمانے میں انبیاء کرام نے دی ہے اور آپ کو پیارے پیارے ناموں سے پکارا ہے۔ طاب طاب توراۃ میں آپؐ کے اسمائے مبارکہ میں سے ہے اور بمعنی طیّب ہے جناب عبدالعزیز خالد عاشقِ رسولؐ مقبول ہیں، ان کے نئے مجموعۂ نعت کا عنوان " طاب طاب " ہے جو ان کے دیگر مجموعہ ہائے نعت کی طرح دل آویز اور تابناک ہے۔

خالد ان خوش نصیب اور بابرکت اکابر شعرائے کرام میں ایک منفرد اور ممتاز درجہ رکھتے ہیں جنھوں نے شعر گوئی میں صنفِ نعت کو حرزِ جاں بنا کر اسے محبت آمیز وقیع اور بھرپور لہجہ اور مخصوص رنگ و آہنگ و فرہنگ دیا۔ یہ اسلوب خالد کا وصفِ ذاتی ہے اور اگر اسلوب ہی شخصیت ہے تو لاریب خالد کی جہاں نما شخصیت کی واضح اور بدیہی پہچان شہِ دوسرا کی مدحت ہے، جو یقیناً بتائیدِ ایزدی ایک خوش انجام سعادت ہے اور فی الجملہ بندۂ مومن کی معراج ہے۔ خالد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم جن پر میں اور میرے ماں باپ قربان ہوں کی ذاتِ اقدس سے بے پایاں محبت ہے جو ہر آن اُن پر محیط اور انہیں محبت کے نغمہ ہائے رنگ رنگ اور زمزمہ ہائے خوش آہنگ سے ہم آہنگ کرتی ہے۔ خالد نے اس سعادت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹا اور اپنی تمام تر علمی کاوشوں اور توانائیوں کو یک جا کر کے وجدان کے ہفت رنگ تانے بانے سے محبت کی قوسِ قزح کو نعت کے خوش رنگ اور خوش نفس پھولوں میں جی جان سے سمویا اور یوں نعت گوئی کو وفاداری بشرطِ استواری کے مصداق ایک باکردار سخنور کی طرح اصلِ ایمان بنایا۔ لاریب نعت کا حرفِ محرمانہ بہ توفیقِ ایزدی ہی ممکن ہے جو یُمن و سعادت کی علامت ہے۔

خالد نے زیرِ نظر مجموعہ رنگ و نور میں بھی روشنیوں کا سفر طے کیا ہے اور خوب سے خوب تر کی جستجو کی ہے۔

خالد نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ کے صحیفۂ پاک کے بے مثال لطائف و محاسن کے ہمہ وقت وظیفہ خواں ہیں۔ بسا اوقات وہ جوشِ حدی خوانی میں سنگلاخ زمینوں میں سے بھی گزرتے ہیں مگر خالد کی پہچان محبت ہے سنگلاخ زمینوں کی بادیہ پیمائی نہیں، فن کار پہ گوئم مشکل وگرنہ گوئم مشکل، کے جاں لیوا مراحل آتے رہتے ہیں مگر محبت شناس اور قدر شناس اہلِ دل میگساروں کو بادۂ سرجوش کا ذائقہ اپنانا ہی پڑتا ہے کہ ایسا نہ کرنا خود اپنی ہی محرومی ہے۔

خالد کی نعت گوئی متعصبانہ نہیں، بلکہ مخلصانہ صوابدید اور ہمدردانہ مطالعہ کی متقاضی ہے۔ اُنھوں نے نعت کے کینوس کو نہ صرف متنوّع مضامین و معانی سے آراستہ کیا بلکہ ہفت خوانی لہجہ کے ابجد کے لعل و گہر سے بھی مزیّن کیا۔

' طاب طاب ' ایک خوش نفس گلدستہ ہے۔ جس میں رنگ و نور اور نکہت و نزاکت ہے خالد یہاں مشکل گو بھی نہیں ہے جا بجا بے ساختہ اشعار کوہسار کے شیریں جھرنوں کی طرح نغمہ بارِ دیدہ و دل ہیں جن پہ سہل ممتنع ہونے کا رنگ غالب ہے۔

مقبول جہانگیر

عبدالعزیز خالد کی خوش بختی اور قلم کی معراج کا کیا ٹھکانا کہ مدحتِ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم میں رواں دواں ہے۔ طاب طابؐ ان جاں گداز اور روح پرور نعتوں کا ایک حسین و جمیل گلدستہ ہے جو نہ صرف شاعر کی قدرتِ کلام کا بہترین نمونہ ہیں بلکہ فنِ نعت گوئی کو ایک نئی جہت اور نیا رُخ بھی ان کے ذریعے عطا ہوا ہے۔ طاب طابؐ نبی آخر الزّماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم گرامی ہے جو کتاب مقدّس تورات میں آیا ہے اس کے معنی طیّب کے ہیں شمائل رسولؐ میں بھی ہے کہ تورات میں آپؐ کا نام مبارک ماذماذ، انجیل میں طاب طابؐ دوسرے آسمانی صحیفوں میں عاقب اور زبور میں فاروق موجود ہے عبدالعزیز خالد عشقِ نبیؐ کی لازوال دولت سے مالامال ہیں اور گزشتہ کچھ عرصے سے دوسرے اصنافِ سخن کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ کر کامل نعت گوئی کی جانب مبذول ہو رہی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی اور مولانا ظفر علی خاں کی طرح خالد کے سامنے بھی مضامین اور موضوعات کا بحرِ ذخّار ٹھاٹھیں مارتا ہے اور وہ قوافی کے بادشاہ بھی ہیں۔ طاب طاب کی بیشتر نعتیں سہل ممتنع کا عمدہ نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ مضامین نو کے انبار بھی اپنے جلو میں لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً پہلی ہی نعت کے یہ اشعار آبدار دیکھیے۔

بزمِ امکاں میں اللہ اکبر — تجھ سا انساں نہ تجھ سا پیمبر

تجھ سے تاروں کے ہمراہ مانگے — نور کی بھیک ماہِ منوّر

تیرے طلعت کا پرتو بنا پَو — تیری قندیل خورشید خاور

ضَو شفق کی ترے چہرے کی لو — کہکشاں تیری شب تاب چادر

تو امامِ بنی نوعِ انساں — تو زمین و زمانہ کا محور

ایک اور نعت کے چند مصرعے ملاحظہ فرمائیے اس سے اندازہ ہوگا کہ حضورؐ کی مدح و توصیف کے بیان میں شاعر نے روایتی انداز سے ہٹ کر آپؐ کی سیرت کے ان گوشوں کو نگاہ میں رکھا جو قیامت تک ہر مسلمان کے لیے خصوصاً ہر فرد کے لیے عموماً زندگی میں مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

اے مجسّمِ علم و اخلاص و عمل
ہادیٔ برحقِ اقوام و ملل
لازوال و لایزال و لم یزل
رازدارِ رازِ خدائے عزّ وجل
بے عدیل و بے بدیل و بے بدل

سبحان اللہ! مصرعۂ ثالث اور بھر ٹیپ کے مصرعہ کی کیا داد دی جا سکتی ہے مولانا گرامی حیات ہوتے تو اس حسنِ بیان پر خالد کا قلم چوم لیتے۔

قولِ ثابت ترا اثبات و ثبات
تو مکینِ ہر جہانِ ممکنات

کیوں نہ لا محدود ہوں تیری جہات
کیوں نہ بے پایاں ہو تیری کائنات
کیوں نہ تیرے نام سے کانپے اجل

اس مجموعے میں کل ۲۳ نعتیں ہیں اور حق یہ ہے کہ ہر نعت بے مثل و بے نظیر ہے۔

ثانیِ لاثانی

ڈاکٹر عبد الحق۔ شعبہ اُردو دہلی یونیورسٹی

صرف لاہور کی ادبی محفلوں کے ہی نہیں بلکہ عصری اَدب کے کج کلاہ شاعر عبد العزیز خالدؔ کو دُور سے اور بہت سہم سہم کر پڑھا تھا۔ ذہن و دماغ پر اتنے تازیانے لگائے تھے کہ ان کے تازہ مجموعہ ہائے کلام کو مؤدّب ہو کر پڑھنے کی جسارت بھی گراں گزرتی تھی۔ لیکن جب قریب سے دیکھنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا تو اُن کے بارے میں پہلے سے قائم کردہ سارے تصوّرات غلط اور کس قدر غلط ثابت ہوئے۔ خوش مزاج طبیعت، مسکراتا چہرہ، خوش وضع اور اندازِ دلبری کے ساتھ بے نیاز شخصیت کے جادو نے ان کے کلام کو دوبارہ پڑھنے کا شوق پیدا کیا۔ حال ہی میں ان کی شاعری اور فنّی مہارت کا دل کش مجموعہ "ثانی ُلاثانی" پڑھا۔ جو ایک سال پہلے شائع ہوا ہے۔ دراصل یہ ایک طویل بیانیہ نظم ہے اور ۸۶۰ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ نظم اُن کے فن کا شاہکار اور نقطۂ عروج ہے۔ اور خلیفۂ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات والاصفات میں شاعر کا منظوم خراجِ عقیدت ہے۔ شاعر کی عبقریت اور اعجازِ بیانی دیکھئے کہ اتنی طویل نظم ایک قافیہ میں ہے۔ اُنہوں نے لفظ و معانی کے بحرِ بیکراں کو حیرت خیز قوّتِ اظہار بخشی ہے۔ اظہار کا یہ سانچہ خونِ جگر کا تقاضا کرتا ہے، ذہن و شعور کو گہرے تفکّر کی دعوت دیتا ہے۔ اس پیرایۂ اظہار میں عبد العزیز خالد منفرد ہیں، ہونا بھی چاہیئے۔ کسی بھی فن کار کی زندگی اس کی اختراع و انفرادیت میں مضمر ہے۔ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ ہمارا ادبی فن کار عظیم و لازوال ہو گا جسے کلاسیکی اسالیبِ بیان پر قدرت ہو گی۔ غالب و اقبال کی مثال سامنے ہے۔ انشا، داغ کی اُردو کیسی ہی آسان و سادہ کیوں نہ ہو۔ مگر اس میں دوامی رنگ نہیں۔ عبد العزیز خالد نے کلاسیکی اور تہذیبی پس منظر کو اپنے مخصوص اسلوب میں سمویا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں ان کا فن خاراشگافی کے حدود پار کر چکا ہے۔ اب خارا گدازی کے دَور میں داخل ہے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہوگئے تو ہمارے لازوال فن کار ہوں گے!

سیارہ ڈائجسٹ

عبدالعزیز خالد نے اپنی شاعری میں پاکیزگی اور عظمت کا ایک ایسا عنصر شامل کر دیا ہے جس پر کوئی دوسرا شاعر کمال حاصل نہیں کر سکا۔ ہمارے ہاں بعض ایسے قلم کار ہیں جو نثر کی سہولت کے باوجود کسی شخصیت کی مکمل طور پر خاکہ نگاری نہیں کر پاتے مگر جب عبدالعزیز کسی عظیم ہستی کے بارے میں کچھ کہنے کا تہیہ کر لیں تو وہ نظم میں بھی ایسے ایسے جوہر دکھاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب ثانیِ لاثانی خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدّیق کے حضور منظوم نذرانۂ عقیدت ہے۔ انھوں نے سیدنا ابوبکر صدّیق اکبر کی خلافت، صداقت، شجاعت اور امامت کے منظوم اظہار کے لیے جو اسلوب اپنایا ہے اور جن خوبصورت تشبیہات اور استعاروں سے کام لیا ہے اُن کے مطالعہ سے ایک قاری پر وجد سا طاری ہو جاتا ہے اور کتاب کے ایک ایک شعر سے صدّیق اکبر کے بارے میں شاعر کی محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

مقبول جہانگیر

چراغِ لالہ

شاعرِ شیریں مقال حضرت عبدالعزیز خالدؔ نہ صرف خود اعلیٰ درجے کا شعری ادب تخلیق کرنے پر ہر طرح قادر ہیں بلکہ دنیا بھر میں جہاں کہیں نظم و نثر میں اچھا ادب وجود میں آتا ہے حیرت انگیز طور پر اس سے بھی باخبر رہتے ہیں۔ باخبر رہنا بجائے خود بہت بڑا ہنر ہے لیکن یہ ہنر اُس وقت حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے جب اس ادب کو دوسروں تک بھی پہنچانے کا اہتمام کیا جائے۔ اس اعتبار سے خالدؔ صاحب کا دم غنیمت ہے اور غالباً وطنِ عزیز میں وہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے دنیا کا قدیم و جدید کلاسیکی ادب عوام تک اپنے علم کے ذریعے پہنچایا یا ان کوششوں کی جتنی تحسین کی جائے اُتنی ہی کم ہے۔ "چراغِ لالہ" بھی خالدؔ صاحب کی ایسی ہی عمدہ اور نفیس کاوشوں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ رسول حمزہ داغستان کے شاعر ہیں اور بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ جبالِ کاکیشیا (جسے کوہِ قاف بھی کہا جاتا ہے) کی بلندیوں پر اہلِ داغستان کی رہائش ہے۔ یہیں ایک پہاڑی درّے کے قریب ۱۹۲۳ء میں داغستان کے عوامی شاعر حمزہ تسادا کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکا گیارہ سال کا تھا جب اس نے پہلا شعر کہا۔ اس لڑکے کا نام رسول حمزہ ہے۔ اُنھوں نے ماسکو کے ادارۂ ادبیات میں تعلیم پائی۔ رُوسی شعراء کا کلام مادری زبان میں ڈھالا۔ اور اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ آج تک رسول حمزہ کے تیس مجموعے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔

اُردو زبان کو عبدالعزیز خالدؔ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اُنھوں نے رسول حمزہ کے لوک گیتوں اور کلاسیکی شاعری کو اُردو میں منتقل کیا اور جس مہارتِ فن سے کیا، وہ داد و تحسین سے بے نیاز ہے۔ اپنی شاعری اور شخصیت کے بارے میں رسول حمزہ نے خود کیا اچھی بات کہی ہے۔ "میرے والد نے میرا نام رسول رکھا ہے جس کے عربی میں معنی ایلچی، سفیر، نامہ بر اور نمائندہ کے ہیں۔ وہ شاعر مسرت و کامیابی سے ہم کنار ہے جس کے پڑھنے والے یہ کہیں کہ وہ ہمارے ملک اور ہماری شاعری کا سفیر ہے، نمائندہ ہے ترجمان ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں اسم بامسمّٰی بن چکا ہوں، مگر بننے کے لیے کوشاں ضرور ہوں۔"

ابتدا میں "میرا داغستان" کے عنوان سے رسول حمزہ کے شہ پارے ہیں۔ دوسرے حصّے میں "رنگ سخن" کے عنوان سے ان کی نظموں کے منظوم تراجم دیئے گئے ہیں۔ خالدؔ صاحب، رسول حمزہ اور اُس کے فن کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

ہیں یہ نظمیں رسول حمزہ کی
بات پہنچی کہاں سے چل کے کہاں
وہ مغنی کہ جس کے نغموں سے
گونجتی ہے فضائے داغستان
وہ خواص و عوام کا شاعر
گائیں جس کے ترانے پیر و جواں
میں ہوں اُس کا مترجم و مداح
میں کہ ہوں رمز آشنائے بیاں
میرا مسلک کشادہ قلبی ہے
میرا مذہب محبتِ انساں
ترجمہ ، ترجمانی و ترسیل
اور میں ترجمان و نامہ رساں
کسی شعر کو اگر غلط پانا
تو خطاوار مجھ کو ٹھہرانا
بول سچے ہیں اس میں جتنے بھی
ہیں کمائی رسول حمزہ کی!

بُوتُراب

ڈاکٹر سلیم اختر

اپنی وضع کا منفرد شاعر ہے اور ایک اچھے شاعر کی مانند اس کے پاس نہ تو موضوعات کی کمی ہے اور نہ ہی الفاظ کی، بلکہ اگر صرف الفاظ کے نقطۂ نظر سے ہی عبدالعزیز خالد کی شاعری کی پرکھ کی جائے تو غالباً وہ ایسا واحد شاعر ثابت ہوگا۔ جس نے اُردو کے شعری اسلوب میں عربی اور فارسی کے علاوہ عبرانی کے نئے نئے الفاظ شامل کیے اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ کہ تنگیٔ اظہار کی شکایت کے برعکس اپنے خیالات کے ابلاغ کے لیے اُس نے دوسری زبانوں سے بھی الفاظ حاصل کیے ہیں۔

عبدالعزیز خالد کی شاعری کے کئی پہلو ہیں۔ ایک طرف اُس نے شعری مترجم کے طور پر خصوصی شہرت حاصل کی چنانچہ وہ ٹیگور، ہوچی منہ اور مہابھارت کے شعری تراجم کر کے باذوق قارئین سے داد حاصل کر چکا ہے۔ دوسری طرف اُس نے حمد اور نعت میں بھی خصوصی رنگ نکالا ہے۔ فارقلیط منحمنّا، حمطایا، اور حاطا حاط جیسے مجموعے اس ضمن میں خصوصی مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اور اب تازہ شعری کارنامہ "بُوتُراب" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؓ کی یہ منقبت مسلسل نظم کی صورت میں ہے اور اس کا ۲۱۳ اشعار پر مشتمل ہونا ہی خاصہ معنی خیز ہے۔

اس منقبت کے لیے عبدالعزیز خالدؔ نے جس رواں بحر کا استعمال کیا ہے شاعر کے جذبات کی شدت کا ساتھ دے سکتی ہے ویسے بھی نظم میں بحر کا انتخاب بہت اہم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غزل میں تو گنتی کے چند اشعار ہوتے ہیں اس لیے وہاں سنگلاخ زمین کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اور شاعر قافیے کے سہارے غزل مکمل کر لیتا ہے لیکن طویل نظم میں بحر کا استعمال بہت اہمیت رکھتا ہے مثنوی سحرُالبیان کی کامیابی کا ایک بڑا سبب اُس کی بحر بھی ہے۔ اسی طرح بُوتُراب میں بھی عبدالعزیز خالد نے ایسی قسم کی بحر استعمال کی ہے کہ معرّب اسلوب کے باوجود بھی قاری کو کسی طرح کی رکاوٹ کا احساس نہیں ہوتا۔ عبدالعزیز خالد قادرالکلام شاعر ہے اور وہ حیرت انگیز تیز رفتاری سے شعر کہنے پر قادر ہے چراغ حسن حسرت نے مولانا ظفر علی خاں پر جو خاکہ لکھا اُس میں اُنھوں نے مولانا کی شعر گوئی میں تیزی کو اس مثال سے واضح کیا تھا کہ وہ حقّہ کے فی کش کے حساب سے شعر کہتے تھے میں یہ تو نہیں جانتا کہ عبدالعزیز خالدؔ حُقّے سے شغل فرماتے ہیں یا نہیں لیکن اگر حُقّے کا کش ہی شعر پیما ہو تو پھر میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ عبدالعزیز خالدؔ فی کش دو شعر کہتے ہیں لوگ تو ایک آدھ شعری مجموعے کے بعد تخلیقی تھکن کا شکار ہو جاتے ہیں جبکہ معاصرین کے برعکس عبدالعزیز خالد تین درجن شعری مجموعوں کے خالق ہیں اور ابھی تھکے نہیں خدا کرے کہ وہ کبھی بھی نہ تھکیں اور ان کا قلم رواں دواں رہے۔

ستارہ ڈائجسٹ لاہور

حلقۂ اربابِ ذوق میں ایک صاحب نے عبدالعزیز خالد کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یار اتنی مشکل اور ثقیل شاعری بھلا کون پڑھ سکتا ہے اس پر دوسرے دوست نے برجستہ جواب دیا مگر یہ بھی تو سوچو کہ عبدالعزیز خالد کے علاوہ اتنی مشکل اور ثقیل شاعری بھلا اور کون کر سکتا ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ شاعرِ موصوف کے اسی منفرد انداز اور اسلوب نے انھیں دوسرے شعرا سے جدا اور منفرد بنا دیا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب بُوتُراب جو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حضور منقبت ہے۔ شاعرِ موصوف نے اس کتاب میں اُردو کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کے امتزاج کا ایک نیا تجربہ کیا ہے۔ جا بجا قرآنی آیات اور احادیث بھی شامل کی گئی ہیں۔ مختصر یہ کہ بُوتُراب حیدرِ کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے ایک ایسا منظوم نذرانۂ عقیدت ہے۔ کتاب سے ایک اقتباس بطور تبرک پیشِ خدمت ہے۔

وہ امامِ راستیں، چارم امیر المومنین
جو ثنا خوانِ ابوبکر و عمر ہے برملا
ان کو رہتا اکثر اس کی مشورت کا انتظار
بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ہوئی جس کو عطا
ہے جو دل سے دردیِ عثمانِ مظلوم و شہید
دم میں جب تک دم رہا لبریزِ درد و غم رہا

کتاب کا دوسرا حصہ عبدالعزیز خالد کے فن اور شخصیت کے بارے میں ہے جس میں ابنِ انشا، حفیظ صدیقی، نسرین حبیب اور ارشاد احمد حقانی کے مضامین شامل ہیں۔ ابنِ انشا لکھتے ہیں کہ ہم دل سے خالد کی شاعری کی خوبیوں کے معترف ہیں کئی بار کھلے دل سے بھی اس کا اعتراف کر چکے ہیں کیونکہ ہمارے ادب میں یہ ایک نئی چیز ہے۔ حفیظ صدیقی کا کہنا ہے کہ خالد بہت صاف دل انسان ہیں بات کھل کر کرتے ہیں اور وہ لگی لپٹی رکھنے کے ہرگز قائل نہیں وہ بہت مردم شناس ہیں اور بخوبی سمجھتے ہیں کہ کوئی انہیں کیا سمجھتا ہے۔

سیدہ امجد الطاف

حدیثِ خواب

حدیثِ خواب ہمارے ایک ایسے غیر معمولی شاعر کے کلام کا تازہ مجموعہ ہے جس کا غیر معمولی پن ایک عرصے سے پڑھنے والوں کو چونکاتا تو نہیں البتہ مرعوب بدستور کیے جا رہا ہے۔ عام طور پر لوگ اس مرعوبیت کو عبدالعزیز خالد کی زبان اور بیان کا رہینِ منت قرار دیتے ہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بقولِ مولانا مہر اس کی لغت نوازی کی کوئی مثال ہمارے ہاں موجود نہیں تھی اور اس نے ہماری شاعری کو جو رنگ، انداز، اسلوب اور لے بخشی وہ ایک بالکل نئی چیز تھی۔ اس نے اپنے شعر کا تانا بانا بننے کے لیے عربی لغت ہی سے نہیں کلاسیکی عرب شاعری کی روایات سے بھی بڑی مدد لی ہے جس نے اس کے کلام میں نہ صرف تقدیس کا رنگ بھر دیا بلکہ ایک طرف تو اسے پرشکوہ اور توانا لہجہ عطا کیا اور دوسری طرف وہ بلند آہنگ لحن اور پر تیقن آواز دی جو بیکراں صحراؤں میں چلنے والے قافلوں کے حُدی خوانوں ہی سے مخصوص رہی ہے۔ اسی لیے تو ہمارے زمانے میں عربی کے سب سے بڑے اُستاد عبدالعزیز میمن بھی اسے اس دور کا ممتاز اور بے مثال اسلامی شاعر تسلیم کرتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اسلامیات اور عربی کا اتنا ماہر اور باخبر شاعر اور ادیب پوری اُردو شاعری میں کوئی نظر نہیں آتا۔

خالد کی دوسری مرعوب کُن خوبی اس کی پُرنویسی اور بسیار گوئی ہے۔ موزونیت کلام اسے قدرت کی طرف سے شاید کچھ ضرورت سے زیادہ ہی ودیعت ہوئی ہے۔ وہ کچھ بھی صنف ہو، بلاتکان دادِ سخن دیتا چلا جاتا ہے۔ تاثیر مرحوم کے بارے میں ان کے کسی ستم ظریف دوست نے کہا تھا کہ تم تو اپنے علم کے زور پر شعر کہتے ہو۔ یہ الزام ایک حد تک خالد پر بھی عائد ہو سکتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ لفظوں کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی تلمیحات بھی فوج در فوج اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہیں اور وہ پوری قادر الکلامی کے ساتھ ہمارے قدیم قصیدہ نگاروں کی طرح انہیں شعریت کے انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ استعمال کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ تلمیحات اس کے وسیع مطالعے کا حاصل ہیں۔ ان کا تعلق ہماری عربی، عجمی تہذیب سے بھی ہے اور پراچین بھارت، قدیم یونان، جدید مغربی دُنیا اور اکناف عالم میں بکھری ہوئی لوک کہانیوں سے بھی ایک زمانے میں سید انشا اس ضمن میں بڑے بدنام تھے۔ آج یہ بدنامی خالد کے حصے میں آ رہی ہے اور شاید یہ الزام تراشی بھی ہماری مرعوبیت ہی کی ایک اور صورت ہے۔

خالد کی دشوار پسندی اور مشکل گوئی پر بہت کچھ سنا جا چکا ہے۔ اور شکر ہے کہ اس نے اس سے کوئی ایسا ویسا اثر قبول نہیں کیا۔ شاید لوگ جسے اغلاق سے تعبیر کرتے ہیں وہ اس کا فطری انداز بیان ہے۔ مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوا ہے کہ وہ اس اسلوب سے دو طرح کا کام لیتا ہے۔ کبھی تو وہ اس کی مدد سے اپنے موضوع کی عظمت کو اجاگر کرتا ہے اور اس کا سارا

نعتیہ کلام اس کا شاہد ہے اور کبھی وہ لفظوں اور تلمیحوں یا ترکیبوں اور استعاروں کی غرابت میں اپنی کسی ذاتی روحانی واردات کو اس طرح بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ چھپائے نہ بنے۔ حدیثِ خواب کے آئینے میں ہمیں اس واردات کی کئی جھلکیاں نظر آتی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی جھلک نعت گو خالد، مترجمِ قرآن خالد اور سنجیدہ مفکر شاعر خالد کی نہیں سید عبداللہ نے ایک بار خالد کو روحانی عظمتوں کا مصوّر قرار دیا تھا۔ حدیثِ خواب میں کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عظمتوں کو جھٹک دیا ہے اور اپنے آپ کو عہدِ گزشتہ کے رومانوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ وہ یہاں ماضی کو آواز نہیں دیتا۔ اپنی ساری شاعرانہ صلاحیتوں کو کام میں لا کر اپنی بھولی بسری کہانیوں کو زندہ کرتا ہے۔ تخیّل کے سٹیج پر انہیں کھڑا کر دیتا ہے۔ اور پھر تماشائیوں کی صف سے نکل کر خود بھی تماشے کا حصّہ بن جاتا ہے۔

ابوالحسن کی طرح خواب دیکھنا اور خود ہی حدیثِ خواب بیان کرنا ایک ایسا الف لیلوی انداز ہے جس کے لیے حضرت حسّان بن ثابت کو خضرِ راہ نہیں بنایا جا سکتا، اور اس سلسلے میں خالد نے امراؤ القیس کو اپنا ہم سفر ٹھہرایا ہے۔

امرؤ القیس ہو خالد مجھے کیونکر عزیز
گونج ہے میرے تغزّل میں قفا نبک کی
دونوں گمراہ ہیں لیکن ہیں ہرن درویش وہ شاہ — باغِ نیکی سے چنے دونوں نے گُل ہائے بدی
آہوئے دشت تھے مرغوبِ دلِ شاعرِ نجد
دلِ خالد کو ہیں محبوب غزالِ شہری
نام دونوں کا ہے مشہور دیار و امصار
دونوں شیطان کے شیطان، ولی کے ہیں ولی

"سو غزال شہری"، کی یہ داستان حدیثِ خواب کے دو سو سے زیادہ صفحات پر طویل اور مختصر، مغلق اور سہلِ ممتنع منظومات کی صورت میں یوں بکھری ہوئی ہے کہ بحیثیت مجموعی اس نے ایک مرصّع غزل کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جس کا ہر "جزو" ایک مکمّل اکائی ہے لیکن کیفیت کے تسلسل و تواتر نے پھیل کر اس "کل" کو بھی ایک وحدت بنا دیا ہے۔ اور اس وحدت کا بنیادی رنگ عاشقانہ ہے۔ ایک ایسا عاشقانہ رنگ جس میں فطرت کی بے حجابی بھی ہے اور ابنِ آدم کی بے باکی بھی۔ خالد کا یہ رنگ بھی اس کا ایک مخصوص رنگ ہے جس کے پردے میں وہ تلمیحوں اور استعاروں میں چھپی ہوئی اور اپنے نہاں خانۂ دل میں دبکی ہوئی چور حقیقتوں کو کئی گفتنی اور ناگفتنی حکایتوں کے رُوپ میں سرِ عام بیان کرتا اور اس لذیذ سفر میں ہمیں برابر قدم پر شریکِ نظارہ ہونے کی دعوت دیتا چلا جاتا ہے۔

پروفیسر عارف عبدالمتین

عبدالعزیز خالد ساڈے سمے دے اوہناں خوش نصیب شاعراں وچوں اک نیں جنہاں دے کلام دی مقبولیت دا ولگنا دڈھیرا مو کلا اے کیوں جے اوہناں دیاں شعری لکھتاں نوں اِک پاسے وِدواناں دی چوکھی وڈی گنتی محبت دی نظر نال ویکھدی اے، تے دوجے پاسے عامیاں دی اک لمی چوڑی تعداد وی اوہناں نوں احترام نال تکدی اے جیہڑے ایس صورت حال دا کارن ایہو وی نیں جے عبدالعزیز خالد دے کلام دی فکری اُچیائی اوہناں لئی انحد کجھ رکھدی اے جیہڑے گیان دھیان دی پدھر اُتے حیاتی گزارن دا آہر کردے نیں۔ تے اوہناں دی شاعری دی جذباتی ڈونگھیائی اوہناں بندیاں دا سطے اُچیچی من بھاؤنی ہندی اے جیہڑے جیون پندھ اُتے احساس نوں اپنا آگو بنا کے ٹردے نیں، تے اسیں چنگی طرحاں جاندے آں پئی جتھے فکری اُچیائی والی شاعری دا پلاّ انسانی سُرت دیاں بے اَنت صورتاں نال جڑیا ہندا اے، اُدھے جذباتی ڈونگھیائی والی رچناواں جیہڑاں انسانی لاشعور دے تپال وچ لتھیاں ہوندیاں نیں۔ ایس پاروں جے عبدالعزیز خالد دے کلاسیکل دی ٹیسی اُتے ساڈوں انسانی شعور تے جانکاری دا جھنڈا الہراندا نظر آوندا اے، تے اوہدی نیہہ انسانی وجدان تے عرفان اُتے اُسری جاپدی اے، تے اے کسے پکھوں دی حیرانی دی گل نہیں۔ تے جس ویلے کسے شاعر دی شاعری ایہناں دو اَنملے وصفاں دی مالک ہووے تے اوہدا سوچ سروپ بے انت من کھچواں تے اوہدا کام رُوپ دوڈھیرا ہردے لتھواں کیوں نہ ہووے۔ دوجے لفظاں وچ اسیں آکھ سکدے آں پئی عبدالعزیز دی شاعری وچ حکیمانہ بصیرت دے حوالے نال ساڈوں جیہڑے انسانی آدرشاں تے اخلاقی معیاراں دی دکھ لبدی اے تے نفسیاتی واقفیت دے اتبار نال جیہڑیاں انسانی آساں پیاساں، سدھراں تے تانگھاں دی شوبھا ملدی اے اوہناں دوہاں دا سوما عبدالعزیز خالد دی شخصیت دی اوس نرل اکائی وچوں پھٹدا اے، جیہڑی دماغی صلاحیتاں تے صفتاں دے اَت نویکلے سنگم دی حیثیت رکھدا اے۔ عبدالعزیز خالد دی شعری لکھت "حدیثِ خواب" جنھوں اوہناں دیاں سوہنیاں نظماں تے سلکھنیاں غزلاں دا مجموعہ آکھیا جا سکدا اے، دی پڑھت ساڈوں پگ پگ اُتے۔ ایس سنگم دی ہوند دا احساس کراوندی اے، تے ساڈے کولوں آپ مہارے ڈھنگ وچ اپنی سلاہتا کرواندی اے۔ ایس کتاب وچ دوجی چھاپ کجھ چر پہلاں ہی ساڈے سامنے آئی سی، تے ایہنوں عبدالعزیز خالد دی

اوس مقبولیت دا اجہا ثبوت منیا جا سکدا اے، جدھی کسے وی حوالے نال تردید نہیں کیتی جا سکدی۔

عبدالعزیز خالد دیاں سوہنیاں نظماں دا لطف تے اوہناں نوں اوہناں دی گُھبت وچ پڑھن نال ہی حاصل کیتا جا سکدا اے، ایس کارن ایتھے اوہناں دیاں غزلاں دے کجھ شعر ای ونگی دے طور تے پیش کیتے جا سکدے نیں۔ ملاحظہ فرماؤ، اوہ آکھدے نیں۔

صبا کے رس میں تجھے گھونٹ گھونٹ پیتا ہوں
گلِ بہار کی خوشبو میں سونگھتا ہوں تجھے
کبھی سراب سے صحرا کی پیاس بجھتی ہے
ندی کنارے پہنچ کر بھی ہونٹ تر نہ کئے
مرد کو جسم کی، عورت کو محبت کی تلاش
وہی پاکیزہ ہے جس کو نہ کسی نے چاہا
ناموس کی ہو بات تو غنچے کی طرح تنگ
دل ورنہ باندازِ گل آغوش کشا ہے

ظاہر اے پئی عبدالعزیز خالد جیہا کلاکار جدھی قلم وچوں اجہے سندر شعر نکلنا معمول دی گل ہووے، جدوں اپنے تخلیقی تجربے بارے ایہو جہے بول آکھے تے اوہناں بولاں دی سچائی اُتے ایمان لے آؤنا سبھے سُنن پڑھن والیاں دے دلاں دی تکمیل سدھر بن جاندا اے۔ اوہ آکھدے نیں۔

صدا کانوں میں آتی ہے جرس کی
دمِ فکرِ سخن جانے کہاں سے
قلم ہے شہپرِ جبریل گویا
تعلّق ہے کہیں بھی لامکاں سے

حدیثِ خواب، نوں پاکستان دے مشہور اشاعتی ادارے مقبول اکیڈمی، لاہور نے چھاپن دا سربندھ کیتا اے، تے حق سچی گل ایہہ اے پئی چھاپن دا پورا پورا حق ادا کیتا اے۔ کتاب دا مل اٹھتالی روپے اے، جیہڑا ایس مہنگ سمے وچ اوہدے باطنی تے ظاہری گُناں پاروں، اگّاں معقول جاپدا اے!

مرزا ادیب

عبدالعزیز خالد ہمارے دور کے ایک منفرد شاعر ہیں۔
عبدالعزیز خالد کے بارے میں میں نے جب بھی غور کیا ہے اور ان کی کسی شعری تخلیق کا مطالعہ کیا ہے تو مجھے وہ ایک ایسے شخص کے روپ میں نظر آئے ہیں جو محض شاعر نہیں ہے ایک ایسی شخصیت بھی ہے جو وسیع المطالعہ ہے۔ جسے کئی علوم پر دسترس حاصل ہے اور جو بیک وقت کئی زبانوں کی مزاج شناسی کی وجہ سے ان زبانوں سے اخذ و اکتساب کرنے پر قادر ہیں۔ خالد حقیقی معنوں میں قادر الکلام شاعر ہیں انہیں یہ فقید المثال قدرت حاصل ہے کہ جو کچھ ان کے ذہن میں آتا ہے اسے الفاظ میں منتقل کر دیتے ہیں یہ الفاظ کس زبان کے ہیں اس سے انہیں کوئی بحث نہیں

اے کوئل آ
آنسو بہائیں مل کے ہم
تیری طرح میں بھی سکھی
اس دکھ بھرے سنسار میں
جیتی ہوں رونے کے لیے

کتنے خوبصورت اور دلآویز شعر ہیں۔
اس وقت میرے پیش نظر ان کا جو مجموعۂ شعر ہے اس کا نام "حدیث خواب" ہے جو دس برس کے بعد مقبول اکادمی نے دوبارہ شائع کیا ہے۔ خالد نے اسے یاد خوبان دلارام کے منسوب کیا ہے اور یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ شاعر نے اس کتاب کے اندر محبت کے نغمے تخلیق کیے ہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ شاعر یہاں بیشتر محبت ہی کے نغمے گاتا ہوا نظر آتا ہے۔
"پہلی نظم کا عنوان "حکایت نے" ہے۔ پہلا شعر ہے۔

تیرے دیار کی خوشبو سے اے چمن آرا!
مشام جاں کو معطّر کرے نسیم صبا

اس کے بعد صفحہ ۹۰ تک ان تمام محبوباؤں اور محبوبوں کے نام شامل کیے ہیں جو ادبیات عالم کے جریدے پر کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گئے ہیں۔ شاعر نے اس طویل مگر بڑی موثر نظم میں ہندی شاعری کی اس روایت کو اپنایا ہے جس کے مطابق عورت سراپا محبت کی حیثیت سے اپنے محبوب کو مخاطب کرتی ہے یعنی یہاں اظہار محبت مرد کی طرف سے نہیں عورت کی طرف سے ہوتا ہے۔
اس نظم میں مخاطب کرنے والی ہستی سوہنی ہے صاحباں ہے، ہیر ہے اور مومل ہے۔ یہ سلسلہ اپنے دامن میں سینکڑوں نام لیے ہوئے ہے اور ہر جگہ مخاطبت عورت ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

اُردو ادب میں بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں دُنیا کی شاید ہی کسی زبان کے ادب میں ایسی نظم لکھی گئی ہوگی۔
خالد نے اُردو ادب کی جس صنف میں بھرپور اور مستقل نوعیت کا اضافہ کیا ہے وہ منظوم تمثیل ہے۔ اس صنفِ ادب کا جب بھی ذکر کیا جائے گا عبدالعزیز خالد کا نام سرِفہرست ہوگا۔

حدیثِ خواب میں نظمیں بھی ہیں اور غزلیں بھی اور ان دونوں میں خالد کی ندرتِ فکر، جودتِ طبع اور بوقلموں پیرایۂ اظہار نے حسن آفرینی کی ہے۔ ہمارے ہاں آمد اور ورد میں بڑا فرق سمجھا جاتا ہے مگر خالد نے کچھ ایسی روانیِ طبع کا ثبوت دیا ہے کہ آورد کو آمد بنا دیا ہے۔ یہاں میں حدیثِ خواب کی ایک غزل کے چند شعر نقل کرتا ہوں۔

سحر کی پلکوں سے ڈھلتا ہے رات کا کاجل
ستارے ڈوبتے جاتے ہیں ایک ایک کرکے
گھڑی جدائی کی روزانہ بڑھتی جاتی ہے
دل آرزو سے لبالب مژہ مژہ چھلکے
ایک چپ ہوں سدا بے قرار رہتا ہوں
چراغِ خانہ بہائے نہ شمعِ رہگزرے
ندی کنارے پہنچ کے بھی ہونٹ تر نہ کئے
کبھی سراب سے صحرا کی پیاس بجھتی ہے؟

کیا ان شعروں میں حسنِ تغزل نہیں جھلکتا ہے؟

شفیع عقیل

موجودہ دور کے جن شعراء نے اپنے لیے نئی راہ نکالی ہے اور ایک منفرد لہجہ اختیار کیا، ان میں عبدالعزیز خالد منفرد مقام رکھتے ہیں۔ غزل ہو یا نظم ان کا لہجہ الگ پہچانا جاتا ہے انہیں زبان پر جو قدرت حاصل ہے یا یوں کہئے کہ زبانوں پر جو قدرت حاصل ہے وہ کسی دوسرے شاعر کے ہاں دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زبان کے سلسلے میں تنگ دامنی کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کے ہاں خیال کے اظہار کے کئی راستے ہیں اور اسی سے ان کا ایک مخصوص لہجہ بن گیا ہے۔ نعت گوئی میں اُنھوں نے جو انداز اختیار کیا ہے، وہ انہی کے لیے ہو کر رہ گیا ہے۔ طویل نظم نگاری میں انہیں ہمعصر شعراء میں امتیازی حیثیت و درجہ حاصل ہے۔ ان کی قادر الکلامی کا سب نے اعتراف کیا ہے۔ عبدالعزیز خالد صاحب کے اب تک کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں منظوم تراجم بھی شامل ہیں۔